اُردو ادب کا سب سے بڑا رزمیہ مرثیہ

علمدارِ کربلا

مُصنّفہ

فردوسی ہند حضرت **فارغ** علیہ الرحمہ شاگرد میر انیسؒ

مُرتّبہ

صفدر آہ

ردوم
۱۹۶ء

کتابکدہ بمبئی

قیمت
۲/۲۵

تشکر

ایک مشہور و معروف ادب نواز نے جو
اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے، اس مرثیہ کی طباعت
کے تمام مصارف مرحمت فرماکر اسے اُردو ریسرچ
انسٹیٹوٹ بمبئی کو دیدیا ہے۔ اب اس ایڈیشن کی
ساری آمدنی اُردو ریسرچ انسٹیٹوٹ بمبئی کو ملے گی۔
کتابکدہ موصوف کا بدل سپاس گزار ہے۔

ناشر

فہرست مضامین

مقدمہ

فارغؔ کے مرثیوں کی مکمل جلد کوکبۂ فارغ بڑی سائز کے تقریباً ایک ہزار صفحوں پر ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی تھی اور اس سرعت سے فروخت ہوئی کہ انیسؔ و دبیرؔ کے خصوصی مرثیوں کے علاوہ شاید ہی کسی مرثیہ گو کا کلام اتنی جلدی بکا ہو۔ اگر کوکبۂ فارغ کی اشاعت کسی بڑے تجارتی ادارے کے ہاتھ میں ہوتی تو اب تک اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہوتے۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے ناشر تاجر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی مقبول کتاب کا دوسرا ایڈیشن صرف اسلئے نہیں نکل سکا کہ اسکی ضخامت بہت زیادہ تھی۔ اسوقت کوکبۂ فارغ اتنی کمیاب ہوچکی ہے کہ اس کے چند بوسیدہ نسخے اصل قیمت سے پچیس گنی قیمت پر فروخت ہوئے ہیں۔

فارغؔ کی شاعری پر میری کتاب فردوسیٔ ہند کی اشاعت کے بعد سے فارغؔ کے مرثیے مکرر چھاپنے کے شدید تقاضے ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے آجکل طباعت کی مشکلات کی وجہ سے اتنی بڑی کتاب کا چھاپنا آسان نہیں۔ اسی لئے میں نے یہ طے کیا ہے

بھی انھیں فردوسی کہا گیا ہے۔ ع

"رفت فردوسی دوراں آہ آہ"

ایک نوجوان ادیب نے مجھ سے کہا کہ فردوسیٔ ہند انیسؔ کو کہنا چاہیے میں نے عرض کیا کہ انیسؔ ہمارا قومی شاعر ہے اور فردوسی سے بہتر ہے۔ ہم انیسؔ کو فردوسی ہند کیوں کہیں فردوسی کو انیس ایران کیوں نہ کہیں۔ پھر انیسؔ اور فردوسی کے رنگ سخن میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ انیسؔ کی تلوار بھی ایسی کہ گلے لگا لینے کو جی چاہے ع

"غل تھا کہ لو دکھا کے لگاوٹ پری چلی"

اور فردوسی کا معشوق بھی ایسا کہ انسان دہل جائے۔ ع

"دو ابرو کمان و دو گیسو کمند"

مرثیے میں فارغ کے پیدا کئے ہوئے موڑ میں ڈرامائی اجزا سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ انھوں نے مرثیے میں ایکشن، کانفلکٹ، سسپنس اور کردار گی کو ابھارا۔ مرثیے کے پلاٹ میں فصگی پیدا کی۔ رزم کی زبان میں ایک ڈرامائی گرج اور کمک لائے اور رزم کے واقعات کی تشریح اور تفصیل میں اضافہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ

(اس بحث کی تفصیل فردوسیٔ ہند میں ملاحظہ ہو)

پیارے صاحب رشیدؔ نے مرثیے میں جو موڑ پیدا کیا وہ مرثیے کیلئے ارتقائی اقدام نہ تھا۔ رشیدؔ مزاجاً غزل گو شاعر تھے۔ وہ مرثیے کو انیسؔ کے پیدا کئے ہوئے دشوار گزار ڈرامائی راستوں سے کھینچ کر غزل کے قریب لے آئے۔ ان کے مرثیے میں اپنا مخصوص انفرادی طرز تھا۔ بڑی شستہ میٹھی زبان، چست بندشیں، غزل کی چٹکیاں، کچھ ذکر ساقی، کچھ ذکر بہار، کہیں شباب کی یاد، کہیں پیری سے بیزاری۔ پھر قصیدے کی طرح گریز کر کے ممدوح پر آئے۔ کچھ بند رخصت کے، چند

بندوں میں تلوار چمکی، اس کے بعد شہادت، کمال مجلس ہوا اور مرثیہ ختم ہوگیا۔

انیس کے بعد فارغ اور رشید کے پیدا کیے ہوئے موڑ ادب مرثیہ میں بیحد اہم ہیں۔ فارغ نے مرثیہ کو دشوار سے دشوار تر بنایا۔ آٹھ آٹھ سو بند کے بھرپور ڈرامائی مرثیے کہے۔ داد لی اور اپنا لوہا منوا کر چلے گئے۔ ان کے بعد پھر کوئی فارغ نہیں آیا لیکن رشید کی سہل روی خود اپنے عہد میں سراہی گئی اور ساتھ ہی اسی سے مرثیہ گوئی کے دوسرے دور کا آغاز ہوا۔ جو پوری نصف صدی تک چلتا رہا۔ رشید کے بعد کے سارے مرثیہ گو انیس سے زیادہ رشید کے پیرو تھے۔

جب مرثیے کے ڈرامائی اجزا میں انحطاط آیا تو اس کا اثر خواندگی کی اداکاری پر بھی پڑا اور اردو ثقافت کا پیدا کیا ہوا یہ فن اعلیٰ رفتہ رفتہ نقش و نگار طاق نسیاں ہوگیا۔ آج تو کسی کو یہ سمجھانا بھی مشکل ہے کہ خواندگی کیا ہوتی تھی۔

۸۷۵ بند کے زیر نظر مرثیے کی صرف یہی خصوصیت نہیں کہ یہ اردو ادب کا سب سے بڑا رزمیہ مرثیہ ہے۔ اس مرثیے میں فارغ نے رزم کی ڈرامائی گرج اور پرواز خیال کی حیرت ناک معجزہ نمائی کے ساتھ ایک ایسی تکنیک بھی دی ہے۔ جو دوسرے مرثیہ نگاروں کے علاوہ خود فارغ کے مرثیوں سے کسی حد تک الگ ہے اس مرثیے میں فارغ کی فردوسیت نکھر کر بھرپور سامنے آگئی ہے۔ مرثیے کے بنیادی کردار حضرت عباس کے جلال اور دبدبے کی رعایت سے سارے مرثیے کے لہجے میں شاعر نے ایک مخصوص طمطراق پیدا کیا ہے، جسے مرثیے کے ہر حصے میں بڑی خوبصورتی سے نباہا گیا ہے۔

فارغ نے اعلان کیا تھا کہ وہ اِنجیح امام حضرت عباس کی تین لڑائیاں اس مرثیے میں نظم کریں گے۔ جدال داخلہ۔ جدال شب ہفتم اور جدال شہادت۔ جس

وقت فارغ نے جدال داخلہ نظم کر کے پڑھی تو سخن شناسوں کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ ذہن انسانی کے لئے اس سے آگے جانا محال ہے حالانکہ اس لڑائی میں حضرت عباس کی تلوار صرف کھنچی تھی۔ چلی نہ تھی۔ دوسری جدال یعنی جدال شب ہفتم فارغ نے یہ کہہ کر شروع کی کہ ع

"کھنچنے کا وہ بیاں تھا یہ چلنے کا حال ہے"

اس جدال میں تو سچ مچ قیامت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے۔ یہ جدال تین ٹکڑوں میں نظم ہوئی ہے۔ جنگ شبخون، جنگ نشان اور جنگ فرات۔ جنگ شبخوں اور جنگ نشان میں جو ڈرامائی واقعات اور فن جنگ کی تشریحات بیان ہوئی ہیں ان کی مثال کہیں نہیں مل سکتی۔ اس لڑائی کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے گا۔ لیکن تیسری لڑائی کے عنوان میں فارغ پھر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ع

"روشن ہے فرق صاف یہ دن ہے وہ رات تھی"

حکیم نہال حسین صاحب مرحوم مؤلف حال فارغ (مطبوعہ ۱۹۰۲ء) لکھتے ہیں:۔

"مرحوم (فارغ) فرماتے تھے کہ جو اعلیٰ درجے کے مضامین، اور نازک خیالیاں غور و خوض کے وقت میرے سامنے آجاتی ہیں انھیں میں تیسری جدال کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔"

(صفحہ ۱۱، حال فارغ)

فارغ کے چھوٹے بھائی فروغ مرحوم نے بھی مجھ سے یہی واقعہ بیان کیا تھا۔ یہ جدال کیا ہوتی آج اس کا صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ ابھی مرثیہ اس جدال

تک نہیں پہنچا تھا کہ موت کے بے رحم ہاتھ نے **فارغ** کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا
افسوس ہے کہ اس ناگہانی موت سے مرثیہ ایک بیانیہ درجے پر رک گیا اور فارغ
جس کلائمکس کی تیاری کر رہے تھے وہ وہاں تک نہ جا سکے۔

جی تو چاہتا ہے کہ اس یادگار زمانہ مرثیئے کی ڈرامائی خصوصیتوں شاعرانہ
خوبیوں اور فنی معجز نمائیوں پر تفصیلی تبصرہ کروں۔ لیکن ۸۲۵ بند ہیں اگر اپنے
مطالب اجمالاً بھی لکھے تو کتاب کے کئی سو صفحے بڑھ جائینگے۔ ظاہر ہے یہ امر آج کل کتاب پر ایک بوجھ ہو جائے گا۔

ایک بات اور عرض کردوں۔ واقعات اور روایات کو فن تاریخ کے مقیاس
اور علم رجال کے کانٹے پر جانچنے والوں کو عام طور پر ہر **مرثیہ گو** کے کلام میں اور
خاص طور پر **فارغ** کے کلام میں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑیگا۔ میں عرض کر چکا
ہوں کہ مرثیہ ڈراما ہے اور تاریخی ڈرامے کے لئے تاریخی افسانے خود تاریخ سے
زیادہ اہم ہیں۔ خشک اور سپاٹ تاریخی واقعات میں جب تک افسانوی رنگ
نہ بھرا جائے ڈرامے کی تخلیق ناممکن ہے **فارغ** نے اپنے طویل مرثیوں میں ڈرامائی
ضرورت کے پیش نظر **پلاٹ** اور **قصگی** پیدا کرنے کا ایک نیا اقدام کیا تھا
انھوں نے ڈرامے کے کام کی کمزور سے کمزور تاریخی روایات کو اتنا بڑھا چڑھا کر
بیان کیا ہے کہ ایک طرف سخن شناسی عش عش کر اٹھتی ہے تو دوسری طرف
مورخ مزاجی منہ دیکھ کر رہ جاتی ہے۔

فن تاریخ اپنی جگہ پر ہے اور اس کی اہمیت تاریخ کے میدان میں ہے۔

لیکن ادب اور ڈرامے میں افسانے کی اہمیت تاریخ سے کہیں زیادہ ہے۔ تاریخی افسانے کے لئے تاریخ کا ایک اشارہ کافی ہے۔ اس کے بعد کا کام فنکارانہ صلاحیت کا ہے۔ تاریخ ایک مفروضہ حقیقت ہوتی ہے جو مفروضات اور دلائل کے بدلنے سے خود بھی بدل جاتی ہے۔ لیکن افسانہ ایک محسوسہ حقیقت ہے جو ہمیشہ حقیقت رہتی ہے۔ تاریخ مورخین کا اندازہ ہے اور افسانہ فنکار کا نفسیاتی اور روحانی تجربہ ہے۔ مرثیہ تاریخ نہیں تاریخی پس منظر پر فنکار کی بنائی ہوئی انتہائی دلکش تصویر ہے۔

صفدر آہ

۱۲۸ والکیشور روڈ
مالا بار ہل بمبئی ۶

مورخہ
۵ ارستمبر ۱۹۶۰ء

کردار

حضرت عباس :

آپ اس مرثیے کے بنیادی کردار یا ہیرو ہیں آپ کی کرداری خصوصیات حسب ذیل ہیں :-
آپ علمدار فوج حسینی ہیں۔ سقائے حرم ہیں جلال و شجاعت ہیں وحید عصر ہیں امام حسین کے عاشق ہیں۔ دختر امام حسین جناب سکینہ جن کی عمر تین سال کی ہے آپ سے بیحد مانوس ہیں۔ حضرت علی کے فرزند اور ہمشکل علی ہیں۔ اخلاق مجسم ہیں۔ نہر فرات پر شہید ہوئے اور وہیں آپ کا مزار بنا۔

امام حسین :

امام وقت۔ امت محمدیہ کو بخشوانے کیلئے شہید ہوئے۔ رسول کے نواسے۔ صابر و شاکر۔ مگر شجاعت حیدری کے وارث

جناب علی اکبر

امام حسین کے نوجوان صاحبزادے بہادر جوشیلے۔ ہمشکل نبی۔

عون و محمد

جناب زینب کے دو کمسن فرزند جعفر طیار کے پوتے۔ علی کے نواسے

حضرت حُر

فوج یزید کے ایک بہادر سردار جو امام
حسین کے ناصر ہو کر شہید ہوئے۔

حضرت حبیب ابن مظاہر

بوڑھے مجاہد۔ امام حسین کے بچپن کے رفیق

(دیگر اقربا و انصار حسین)

حضرت زینب

امام حسین کی ہمشیر۔ بنت علی و فاطمہ

زوجۂ جناب عباس

مطیع حرم و مومنۂ کامل

جناب فضہ

جناب فاطمہ کی بوڑھی کنیز

جناب شہر بانو

زوجۂ امام حسین

جناب سکینہ

امام حسین کی تین سال کی دختر۔ حضرت
عباس جس سے بیحد مانوس ہیں۔

(دیگر اطفال)

ابن رکاب

یزید کی فوج کا سردار۔ جو دوسری محرم
کو نہر روکنے کے لئے آیا تھا۔ منہ کا کڑا۔
مکار

عمر ابن سعد

فوج یزید کا کمانڈر۔ چرب زبان۔
بزدل۔ مکار۔ کمینہ۔

شمر

قاتل امام حسین۔ فوج یزید کا افسر
فتین۔ شریر اور کمینہ۔

مطلع

شوکت نمائے فوجِ سخن ہے علم مرا

تمہید

چہرہ

شوکت نمائے فوجِ سخن ہے علم مرا — سیّارِ دشتِ نظمِ بیاں ہے قدم مرا
کیا بحرِ پُر خطر ہے یہ بحرِ رقم مرا — غوّاص ہو کے کھاتا ہے غوطے قلم مرا
پایاں نہیں عمق کا سیاہی میں راہ ہے
پردہ پھٹا ہوا ہے کہ پانی سیاہ ہے

ہوتا ہے فوجِ نظم میں رایت علم مرا — دیتا نشانِ فتح ہے دل دمبدم مرا
سقائے جوئے فکر ہے ابرِ رقم مرا — ہے تشنۂ زُلالِ معانی قلم مرا
کیسی زباں خشک تھی، تر اک فن سی ہوئی
خالی ہوئیں دوات سے مشکیں بھری ہوئی

لو آمدِ قشونِ سخن ہے نگاہ میں — تانتا بندھا ہوا ہے مضامیں کا راہ میں
قرنا صریرِ کلک نے پھونکی سپاہ میں — بیتوں کے جمگھٹے ہیں کھڑے رزم گاہ میں
ہر سطر بڑھتی جاتی ہے دریا کی موج سے
رایت قلم کا دو قدم آگے ہے فوج سے

اس بحر میں سخن کی لطافت کا ہے بیاں　　گویا ہے سلسبیل سے دُھوئی ہوئی زباں
پانی سے ہیں بہا ہی دست و قلم رواں　　لہریں ہیں حوضِ صفحہ پہ سطر کے سب نشاں
ساحل ہے حاشیہ ہم حسنِ صفائی کا
جدول زمردی ہے کہ سبزہ ترائی کا

کیا سرخرو ہوں مدحت آلِ رسول سے　　سرسبزیاں ملی ہیں شرف کے حصول سے
بخشا علی نے اوج یہ حسنِ قبول سے　　اعلیٰ ہر ایک لفظ ہے طوبیٰ کے پھول سے
نیچا علم سے فکر کے، سر آسماں کا ہے
جو مصرعہ، بلند ہے پرچم نشاں کا ہے

دل ہے نہال، طبعِ عدیم المثال سے　　کم ہے یہ باغ کیا چمنِ لازوال سے
ثمرے ریاضتوں کے ملے ذو الجلال سے　　طوبیٰ کی شاخ کھینچ لی دستِ خیال سے
ہاتھ آئے کب جہاں میں کسی سبز بخت کے
مضمون ہیں یہ ثمر بہت اونچے درخت کے

چہرہ ہے مرثیے کا تو سامنے ہیں بند ابھی　　رنگِ سخن بڑھیگا دو چند و سہ چند ابھی
دیکھو نہ زورِ دستِ خیال بلند ابھی　　ممکن نہیں کھلے دل صنعت پسند ابھی
موقع ہے صید آ ہوئے معنی میں دیر کا
پنجہ فقط شکار پہ کھلتا ہے شیر کا

تمہید سے سمجھ تو گئے ہونگے خاص و عام　　کس کے بیانِ حال کا ہوتا ہے اہتمام
تصریح ہر جگہ یہ کنایہ ہوئی تمام　　صورت وہ اب ہو جس سے کھلے خود نشان و نام
جعفر علم لیئے نظر آئیں سپاہ میں
پھر جائے مرتضیٰ کا سراپا نگاہ میں

سراپا

قربانِ شانِ شوکت و اجلال و رعب و داب — دامن علم کا رحمتِ معبود کا سحاب
پنجہ وہ جس کے رُعب سے چھپ کر بصد حجاب — خورشید دن کا چاند، قمر شب کا آفتاب
یہ گرمیٔ جلال یہ موسم شباب کا
ہے سر پہ دوپہر کو مقام آفتاب کا

پڑھتا ہوں پہلے وصفِ جبینِ جناب کا — دیکھو کھلا ہے صفحۂ اوّل کتاب کا
ایما ہے ابروؤں کو یہ اس برق تاب کا — اُلٹو اب اُنگلیوں سے ورق آفتاب کا
روشن دلوں کو بات بدیہی پسند ہے
اجزائے رُخ میں سب سے جبیں سربلند ہے

آنکھوں کو دیکھو عین عنایت کی ہے نظر — ابروئے بائے بذل کا ایما ہے سربسر
بینی الف تو ہے، الف الفت کا ہے مگر — دنداں کھلیں تو سین سعادت کی دیں خبر
صنعت یہ کلکِ کاتبِ قدرت کا کام ہے
چہرے پہ لکھ دیا ہے کہ عباس نام ہے

لطف اب یہ ہے کہ نام کی صورت کھلے لقب — وہ رخ ہے جس کی ضو سے زمانہ ضیا طلب
ٹھنڈا چراغِ مہر ہے، داغی ہے مہ بھی اب — ہاں کچھ چمک دمک ہے پہ یہ چاندنی ہے کب
جلوے سے اس کے پرتوِ خورشید ماند ہے
روشن ہے تو مہِ بنی ہاشم یہ چاند ہے

ہے یہ گلا کہ آئینۂ حسن بے مثال　　اُترا ہے جام نور میں خورشید لازوال
رگ رگ میں انکی قوتِ ضرغام ذوالجلال　　سلمان فارسی کا تو روشن ہے سب یہ حال

کھایا طمانچہ حکم علی میں جو دیر کی
گردن ابھی تلک نہیں پھرتی ہے شیر کی

دریا نوال دست کشادہ سخی کے ہیں　　ہاتھ اسطرح کے ہاتھ بھی آئے کسی کے ہیں
دستِ خدا کے ہاتھ یہ ہاتھ اس ولی کے ہیں　　بازو درِ مدینۂ علم نبی کے ہیں

باندھے انگوٹھے دیو کے زورِ بشر ہے کیا
خیبر کا در الٹ دیا کوفے کا در ہے کیا

ہاتھ ان کے ہونگے کب دمِ نصرت مدد میں بند　　مشکل کشا ہوئے ہیں کسی جد و کد میں بند
رستے ضلال کے ہوئے بدر و اُحد میں بند　　سینے میں دل، کہ برج ہے برج اسد میں بند

لڑکے بھی یاں کے پلتے ہیں شیروں سے کھیل کے
اُلٹا پھرا دیں چرخ کو چھاتی سے ریل کے

کیا منہ کرے جو صدر کی مدحت بیاں کوئی　　کب ہے کلید قفل خزینہ زباں کوئی
صنعت کا باب بند ہے کیا دے نشاں کوئی　　ایسا نہ پُر جگر ہے نہ پر دل جواں کوئی

پہلو میں سب جگر ہی جگر ہے دلیر کے
ہے دل ہی دل بھرا ہوا سینے میں شیر کے

جس کا یہ دل جگر ہو پھر اس کا کہاں نظیر　　جرأت کا کالبد ہے شجاعت کا ہے خمیر
اُلٹے زمیں کہ پھٹ کے گرے آسمان پیر　　کچھ ان کو وسوسہ ہو نہ ہنگام دار و گیر

پہلو تہی سے ان کا جگر آشنا نہیں
سینے میں دل بھرا ہے کہ دھڑکے کی جا نہیں

لو سرے آب وصف اب اُتراہے تاکمر — ٹکے کے پیچ پڑ گئے کیونکر پڑے نظر
عنقا ہے گر تو کیوں نہ کھوٹا رُ ظفر — کھلتی ہے تب یہ فتح کی کھل جائے جب خبر
نازک جو اس کو سمجھے ہیں عقل اُنکی سست ہے
محکم ہے استوار ہے چست و درست ہے

یہ اور لعبتانِ حسیں کی کمر ہے اور — حسنِ نگاہ اور ہے، رعبِ نظر ہے اور
شعر اور شے، سپاہ گری کا ہنر ہے اور — کلک و دوات اور ہے تیغ و سپر ہے اور
ڈھیلا ہو سست ہو کوئی مضموں اگر بندھے
بندش ہو چست بھی تو نہ ایسی کمر بندھے

دونوں قدم یہ پائے ثبات و قرار ہیں — یا ساقِ عرشِ قدرتِ پروردگار ہیں
اس لام الف پہ کاتبِ مدحت نثار ہیں — لاسیف انھیں کی شان میں ہے ذوالفقار ہیں
چل کر وغا میں کب سرِ اعدا کٹے نہیں
حرفوں کی طرح اپنی جگہ سے ہٹے نہیں

ممکن ہے معرکے سے علی کا علم ہٹے — دیکھا نہیں کہ سروِ ریاضِ ارم ہٹے
ہٹ جائے قطب پر نہ یہ کیواں حشم ہٹے — جم کر ہٹے قدم بھی جو نقشِ قدم ہٹے
سرباز خاکِ دشتِ وغا چھوڑتے نہیں
یا مر دبے مٹے ہوئے جا چھوڑتے نہیں

مغفر کہ زیبِ فرقِ ہمایوں ہے تاجِ زر — رخ پر جھلم ہے مقنعِ خورشید جلوہ گر
بازو کہ جوشنوں میں ہیں دو ماہیِ ظفر — دستانے جن میں ہیں پنجۂ شہ زورِ شیرِ نر
پھبتی ہے صنوبدن کی زرہ چست بر میں ہے
تلوار ڈاب میں ہے کہ بجلی کمر میں ہے

پاؤں پہ ہیں چڑھے ہوئے موزے جو آشکار   جستی قدم سے بڑھ کے لپٹتی ہے بار بار
سارے سلاحِ جنگ بدن پر ہیں اُستوار   لوہے میں چھپ گیا ہے سراپا وہ ذی وقار
ہیبت سے کانپتے ہیں جیالے لڑے ہوئے
روئیں تنوں کے بال ہیں تن پر کھڑے ہوئے

بس اے قلم ٹھہر کہ سراپا ہوا تمام   آنکھوں سے دیکھیں صورتِ عباس نیکنام
مجلس کہو اسے کہ زیارت کا ہے مقام   چاروں طرف بلند ہے آوازِ السّلام
حاجت طلب سب آئے ہیں نزدیک و دور سے
فارغ مراد مانگ لے تو بھی حضور سے

یا ابنِ مرتضےٰ مری امداد کیجیے   قیدِ غم عذاب سے آزاد کیجیے
لا نذرِ مرثیہ کو یہ ارشاد کیجیے   فرما کے محنتوں پہ نظر صاد کیجیے
پاؤں شرف قبولِ متاعِ کلام کا
آقا ہیں آپ رد نہ ہو ہدیہ غلام کا

کچھ اپنا حال

اکثر سخن میں آ گئے ایسے بھی سو مقام   کچھ چل سکا نہ زورِ طبیعت سے جن میں کام
یاں تک ہوا میں عاجز و مجبور مستہام   گھبرا کے ترک کر دیا مدحت کا انتظام
فیض آپ ہی کا جب پئے ذہن و ذکا ہوا
پھر بڑھ کے بہہ چلا مرا دریا رکا ہوا

اگلے وہ مرثیے مرے ہونگے جو پانچ سات — ہے جن کی نظمِ پاک بہ از چشمۂ حیات
منہ تھا مرا کہ میں انھیں کہتا بسعیِ ذات — کی ہے مدد امام نے ہنگام مشکلات
عقدہ کھلا ہے دل کا بندھے ہار کی طرح
نکلا ہے جنتری سے سخن تار کی طرح

اللہ ری عنایت سلطان انس و جاں — کس مرتبہ ہیں اپنے غلاموں پہ مہرباں
کیا ہے یہ پھر اگر نہیں امدادِ مدح خواں — رویا میں آکے دیتے ہیں مضموں کے سو نشاں
جب سو گیا سخن کے کسی پیچ و تاب میں
اکثر ہوا کہ بند کہے میں نے خواب میں

تھا خواب ہی کہ مجھ کو زیارت ہوئی دوبار — اوّل تو جبکہ شوقِ سخن تھا نہ زینہار
ایما ہوا سُنا ہمیں کچھ نظم آبدار — مطلع پڑھا جو مدح میں میں نے با افتخار
گو یہ کہا کہ شہ نے کہ نظم نفیس ہے
فرمایا ہنس کے یہ تو کلام انیس ہے

باردوم وہ مجھ کو تھا دردِ حصاۃ جب — اخراج و چاک کیلئے باقی تھی تھوڑی شب
مضطر تھا خوف جان سے عجب دل یہ تھا تب — کیا دیکھتا ہوں خواب میں قربان فضل رب
حاصل ہے اک خوشی دل ناشاد کے لئے
پاس آئے ہیں حسین خود امداد کے لئے

ایما کیا مقام مرض پر کہ باہر آ — بھاگی نکل کے میرے جسد سے کوئی بلا
حاضر تھا کہ ایک شیر، کہا ہے، وہ جا پڑا — جاتے ہی اس کو مار کے پلٹا تو کچھ نہ تھا
دم بھر میں بن گئے مرے بگڑے جو کام تھے
کھلنا بس آنکھ کا تھا کہ غائب امام تھے

حضرت بھی تو انھیں کے برادر ہیں فدا　　کیا ملتوی رہے گا یونہی دل کا مدعا
لکھتا ہوں حال آپ کا یا ابنِ مرتضیٰ　　حسرت ہے کاہ نامہ ہو تو مرثیہ مرا
کب تک نہ کیجیے گا سفارش امام سے
بڑھ جائے یہ کلام اُس اگلے کلام سے

لو اپنے مدح خواں کی مدد کی جناب نے　　جودت دی طبع کو خلفِ بوتراب نے
دکھلادی راہ، خضرِ طریقت صواب نے　　روشن چراغ دل کو کیا آفتاب نے
دیکھوں میاں شب لکھے جو رگ ہو بال میں
باتیں ہوئی ہیں دن مرے چشم خیال میں

رنگِ ریاض طرز بیاں اور ہوگیا　　نظم سخن میں لطفِ زباں اور ہوگیا
عالم پہ زورِ طبع عیاں اور ہوگیا　　دریا جو بہہ چلا تھا رواں اور ہوگیا
تیزی بڑھی طبیعت عبدِ ذلیل کی
باڑھ اور ہو گئی مری تیغ اصیل کی

تفصیل مرثیہ

حصرِ ثنائے ابن یداللہ محال ہے　　طاقت قلم کی ہے نہ زباں کی مجال ہے
تھرا رہا ہے مہر وہ رعب و جلال ہے　　سنئے رقم کچھ ان کی وفاؤں کا حال ہے
یہ تو نہ کہہ سکوں گا علی سے نہ ہو سکا
جوان سے ہو سکا وہ کسی سے نہ ہو سکا

تین ان سے معرکے ہوئے مشہور و یادگار   جرأت سے ان کی ہل گیا میدان کارزار
ہیں جن کو لکھ گئے شعرائے ہنر شعار   سب کا بیان ایک جگہ پر ہے شرح دار
ذکر ان کا ہے جہاں وہیں قصہ مرا بھی ہے
حصہ وہ ان کا تھا تو یہ حصہ مرا بھی ہے

فارغ وہ معرکے یہ ہیں مجمل سمجھ لو تم   وہ کربلا خیال میں جبکہ خوشی ہو گم
تپتی زمیں کہ رخش نقوش جلائے سم   ماہ عزا کی وہ دوم و ہفتم و دہم
تھا غم پہ غم ملال تھا فرط ملال پر
کیا گزری ان دنوں میں محمد کی آل پر

یہ دن وہ تھے کہ پھر نہ کسی کو خدا دکھائے   دنیا پھرے تو کون مسافر پہ رحم کھائے
رستے رکے تھے سب نہ کوئی مدد کو آئے   رونا تو یہ ہے ساتھ تھا بچوں کا ہائے ہائے
کوشش تھی سب کی تشنہ دہانی کے واسطے
عباس پیاسے مر گئے پانی کے واسطے

مانند مرتضیٰ دم ہیجا لڑا یہ شیر   کیا کیا نہ پیاس میں لب دریا لڑا یہ شیر
دو بار چار لاکھ سے تنہا لڑا یہ شیر   سب کچھ رقم کیا ہے کہ کیسا لڑا یہ شیر
اس مرثیے میں سب وہ جدال و قتال ہے
ان تین دن کا تین جدالوں میں حال ہے

اے طبع صولت اسد حملہ ور دکھا   بپھرے ہوئے ہژبر کی چشم و نظر دکھا
دفتر سپاہ ظلم کا زیر و زبر دکھا   ہر فرد پر کھنچی ہوئی تیغ دو سر دکھا
چہرہ دکھا علی ولی کے جلال کا
آفت کا معرکہ ہے یہ پہلی جدال کا

جدال داخلہ

کربلا میں امام حسین کا پہنچنا

جب کربلا میں آمد سلطانِ دیں ہوئی ۔ جنگل کی راہ جادۂ خلدِ بریں ہوئی
پیدا جو گردِ عسکرِ نصرت قریں ہوئی ۔ رتبے میں آسمانِ شرف وہ زمیں ہوئی
منزل کا قرب چوب وہ ڈنکوں پہ زور کی
دوڑی خبر ہوا پہ نقیبوں کے شور کی

آگے وہ سب جلوسِ سواری کے بادبا ۔ ضیغے قدم قدم پہ وہ ٹاپوں کی وہ صدا
بعد ان کے مرکبوں پہ جوانانِ مہ لقا ۔ وہ صورتیں کہ خلقِ علی آلِ مصطفیٰ
خورشیدِ دیں کہ مہر فلک ذوالجناح پہ
سایہ کئے پروں کا ملک ذوالجناح پہ

فوجِ ملائکہ شہِ صفدر کے ساتھ ہے ۔ امدادِ غیب سبطِ پیمبر کے ساتھ ہے
ذرّوں بھرا غبار جو لشکر کے ساتھ ہے ۔ تارے لئے فلک مہِ انور کے ساتھ ہے
روشن ہے کہکشاں سی وہ راہ اُس نواح کی
اک نور ہے کہ گردِ قدم ذوالجناح کی

جھرمٹ مُصاحبوں کا جو سرور کے ساتھ ہے　　مجمع صحابیوں کا پیمبر کے ساتھ ہے
ایک ایک باخدا ہے جو لشکر کے ساتھ ہے　　اُمّت نبی کی شافعِ محشر کے ساتھ ہے
قدسی اِدھر اُدھر ہیں شہِ مشرقین کے
ہیں سب کے ہاتھ دامنِ زینِ حسین کے

کچھ فاصلے سے نور کے ناقوں کی اک قطار　　سب محمل و عماری و ہودج ہیں پردہ دار
سرگرم اہتمام عزیزانِ ذی وقار　　وہ بندوبست ہے کہ ہوا کا نہیں گزار
اعدا کی بدعتوں کے زمانے قریب ہیں
اغیار دور تر ہیں یگانے قریب ہیں

بعد ان کے خادمانِ اولوالعزم و ذی حشم　　آگے رواں کوئی کوئی پیچھے قدم قدم
خرگاہ و بارگاہ کے استر بھی ہیں بہم　　سب کی نگاہ جانبِ دریا ہے دمبدم
خوش ہیں کہ یاں ہے آج کی منزل بڑی ہوئی
پیچھے ہیں اشتروں پہ قناتیں لدی ہوئی

پہنچی مقام پر جو سواری حضور کی　　نوبت بجی سلامیٔ شاہِ غیور کی
مشتاق تھی جو یمنِ قدم کے ظہور کی　　پاس آ گئی سمٹ کے زمیں دور دور کی
دامن بڑھا دیا تو گُلِ مدعا ملے
نزدیک تھا کہ اٹھ کے رکابوں سے جا ملے

بستانِ کربلا میں ہوائے جناں چلی　　باغِ ارم سے نکہتِ عنبر فشاں چلی
لیکر جو گردِ نورِ رخِ مہوشاں چلی　　صحرا سے ضو اٹھی طرفِ آسماں چلی
ساری تجلیٔ فلکی ماند ہو گئی
پھیلی ضیا کہ سطحِ زمیں چاند ہو گئی

غل تھا کہ دورِ عدل آ آیا جھنا چلی ۔۔۔ خلقت جہاں کی جانبِ حاجت روا چلی
خاشاک و خس نہ رہ گئے ایسی ہوا چلی ۔۔۔ صحرا بہارتی ہوئی بادِ صبا چلی

پایا نزولِ رحمتِ ربِ غفور نے
بٹھلا دی گرد بارشِ بارانِ نور نے

اسباب نذر سب تھے برابر لئے ہوئے ۔۔۔ رضواں تھا دستہائے گُلِ تر لئے ہوئے
غلمان و حور شربتِ کوثر لئے ہوئے ۔۔۔ ہاتھوں پہ مہر و ماہ کے ساغر لئے ہوئے

ہدیہ لئے ملک صمدِ پاک ذات کا
تھا دستِ جبرئیل میں شقہ نجات کا

اترا فرس سے دوشِ محمد کا شہسوار ۔۔۔ راکب تھے جتنے ہو گئے پیدل سب ایکبار
ٹہلانے لے گئے فرسوں کو وفا شعار ۔۔۔ اشتر بٹھائے جانے لگے کھینچ کر مہار

ہر جاں نثارِ ظلِ الٰہی پہنچ گیا
دریا کے پاس خیمۂ شاہی پہنچ گیا

آئے قریب شہ رفقائے بلند نام ۔۔۔ بھیجا درود آلِ نبی پر پس از سلام
بولے جواب دے کے امامِ فلک مقام ۔۔۔ شکرِ خدا کے عمرِ سفر ہو چکی تمام

منزل بھی وہ ملی جو معلّیٰ صفات ہے
یہ نہر ہے کہ چشمۂ آبِ حیات ہے

جائے نزولِ رحمتِ داور ہے یہ زمیں ۔۔۔ ممدوحِ ہر نبی و پیمبر ہے یہ زمیں
رتبے میں ہر زمیں سے فزوں تر ہے یہ زمیں ۔۔۔ کیا قدر ہے جنت کی برابر ہے یہ زمیں

تربت میں واں سوال، نہ یاں غم فشار کے
موسیٰ یہیں پہ آئے تھے نعلین اتار کے

گزرے ہیں جتنے اگلے نبی ہادیٔ زماں — آنکھوں سے اس زمیں پہ سب آئے وہ رتبہ داں
یہ خاکِ پاک وہ ہے کہ سجدے کئے یہاں — سب کا یہیں ہوا ہے بلاؤں میں امتحاں
ہے کربلا، یہی ہے جگہ ہر سعید کی
معیار ہے محبتِ ربِ مجید کی

جویا اسی کے ہم بھی تھے آج آئے ہیں اِدھر — انجام جو ہو، اُس کی توجہ پہ ہے نظر
ہر گام پہ ہیں راہِ محبت میں سو خطر — ہوتی ہے دیکھیں اپنی مہم کس طرح سے سر
عاشق وہی ہے جو تہِ خنجر گلو رکھے
ہو وقتِ امتحاں تو خدا آبرو رکھے

کیا باصفا ہے وسعتِ صحرا زہے فضا — دریا جو متصل ہے تو کیا سرد ہے ہوا
بولے وہ حق پسند "یہ ہے لوٹنے کی جا" — ارضِ سوادِ خلد اسے کہیے تو ہے بجا
آنکھیں خنک ہیں رنگ، ہے کیا سبزہ زار کا
کچھ دل مزا اٹھاتا ہے یاں کی بہار کا

گویا ہوئے جنابِ علمدارِ ارجمند — رتبے میں ہے فلک سے بھی یہ سرزمیں بلند
انساں کا ذکر کیا یہ جگہ سب کو ہے پسند — لوٹے ہوئے ہیں سبزۂ نوخیز پہ سمند
چھوڑا ہے گھر، تو اب اسی منزل کے ہو رہیں
جی چاہتا ہے چل کے ترائی میں سو رہیں

کیا بھینی بھینی آتی ہے خودرَو گلوں کی بو — گویا ہے عطر بار ہوائے کنارِ جو
نہر ایسی جس پہ چشمۂ حیواں کی آبرو — ہوگی اسی کی خضر و سکندر کو جستجو
فرق اس قدر ہے بس کہ جو آیا ظہور میں
ظلمت میں اُس کی جا ہے مقام اس کا نور میں

گرمی کے دن ہیں اُترے گا لشکر کنارِ نہر
ہوں گے یہیں غلاموں کے بستر کنارِ نہر
ہلتی ہوئی جگہ ہے برابر کنارِ نہر
بستی کوئی بسے گی مقرر کنارِ نہر
دیکھے سے آنکھ کھلتی ہے رونق شناس کی
کیا جاگتی زمین ہے سوتوں کے پاس کی

آئے ہیں پہلے یاں جو رسولانِ ذوالکرام
حضرت نبی کے طفیل سے بن آئے سب کے کام
ہر امتحاں ہے سہل، مؤید ہیں اب امام
پر یہ دعا ضرور ہے یا ہادیٔ انام
سر کٹ کے بھی یہ رخ سوئے شاہِ امم رہیں
ہم بھی ولائے آل میں ثابت قدم رہیں

لٹ جائیں گھر تباہ ہوں برباد ہوں عیال
آنکھوں سے دیکھیں مٹتے ہوئے سب متاع و مال
تیغوں سے پڑے پڑے ہوں لاشے ہوں پائمال
چھوٹے مگر نہ دامن سلطانِ خوش خصال
مر کر بھی ابن شاہِ ولایت کے ساتھ ہوں
اُٹھیں جو حشر میں بھی تو حضرت کے ساتھ ہوں

گرمی سے حالت حرم محترم اور جناب عباس کو منصب سقائی ملنا

یہ سن کے دل بھر آیا بہت بیٹے کی دعا
آئی حرم کے ناقوں کی جانب سے یہ صدا
اشتر کدھر ہیں پانی کے، یہ کون سی ہے جا
گرمی سے جاں بلب ہیں حیمغرانِ مہ لقا
جلدی خبر کرو شہِ گردوں اساس سے
ہے ہے غش آگیا ہے سکینہ کو پیاس سے

یہ سن کے بیقرار ہوئے شاہِ بحر و بر　　سقّوں کو خادموں نے صدا دی پکار کر
جب تک شہ وہ پہنچیں لبسکہ قلق تھا زیادہ تر　　خود مشک لے کے بڑھ گئے عباسِ نامور

تھا طرفہ اضطرار عجب اضطراب تھا
دوڑا جہاں سے جو وہ لئے ظرفِ آب تھا

تر کر دیا زمین کو سقّوں نے دور دور　　پہنچے قریب محملِ زینب شہِ غیور
فرمایا سب پہ رحم کرے خالقِ غفور　　کیسی ہے میری راحتِ جاں مایۂ سرور

غش ہے کہ ہوش کے بھی کچھ آثار پائے ہیں
تو جامِ آب کہدو کہ عباس لائے ہیں

عمّو کا نام سن کے وہ چونکی تو دی صدا　　جلدی اُٹھاؤ مجھ کو کدھر ہیں مرے چچا
پردے میں گھٹ گئی ہوں میں باہر کی دو ہوا　　کیوں میری پیاری کہہ کے بلاتے نہیں کیا

کڑھتی ہوں کب تلک نہ گلے سے لگائیں گے
پانی پیوں گی جب مجھے عمّو پلائیں گے

عباس جام لیکے بڑھے خود بدرد و غم　　فرمایا لو پیو ہمیں لائے ہیں جانِ عم
ہو لیں بپا خیامِ شہنشاہِ باکرم　　گودی میں لینگے پیار سے بیٹی کو اپنی ہم

بچّوں کو گرم دھوپ میں چلنا نہ چاہیئے
پردے سے بی بیوں کو نکلنا نہ چاہیئے

اب کچھ کہو نہ ہوتا ہے ٹکڑے ہمارا دل　　پیاری سکینہ جان ترا غم ہے جاں گُسل
روئی تھیں راہ میں بھی کئی بار متصل　　گودی میں لے سکے نہ بہت تم سے ہیں خجل

کیا جانتے تھے ضد ہے یہ پانی کیواسطے
چیزیں ہم اب منگائیں گے جانی کیواسطے

روئے یہ کہہ کے فرطِ قلق سے ہی تنہ تاب   خوش خوش پیا سکینہ نے لیکر وہ جامِ آب
تھا پیاس سے جو اور بھی بچوں کو اضطراب   تقسیم سب کو ہو گیا پانی بصد شتاب
حالت تھی غیر دھوپ میں آلِ رسول کی
مرجھا کے پھر ہری ہوئی کھیتی بتول کی

زینب یہ رو کے شاہ سے بولیں بحالِ زار   مانگے بھائی جان بہن آپ پر نثار
یہ دن وہ ہیں کہ تپتے ہیں صحرا و کوہسار   بچے ہیں یاں پھول سے پروردہ کنار
اب حالتِ سفر نہیں گرمی کے ماہ میں
اصغر ہوا ہے پانچ مہینے کا راہ میں

آخر کہاں کا قصد ہے قربان ہو بہن   کوفے کو جائے گا دغا وال کا ہے چلن
سب دشمنانِ آلِ پیمبر ہیں مرد و زن   بدعہد حیلہ ساز بد اعمال راہزن
غربت زدوں پہ راہ میں کیا کیا جفا نہ کی
وہ اور وفا کریں گے، علی سے وفا نہ کی

ہر چند رائے کیا مری لے قبلہ انام   ہیں آپ امام کرتے ہیں حکمِ خدا سے کام
ہو مصلحت تو کیجئے کچھ دن یہیں قیام   لیکن بہت ضرور ہے پانی کا انتظام
منصب یہ ہے، حوالہ احباب کیجئے
بھیّا کسی کو مہتمم آب کیجئے

خوش خو ہو خوش مزاج ہو شیریں زباں ہو وہ   بچوں پہ دل سے مثلِ پدر مہرباں ہو وہ
عاشق تمام گھر کا ہو راحت رساں ہو وہ   وقت آ پڑے اگر تو جری ہو جواں ہو وہ
رو کے سے رک سکے نہ کسی کے دلیر ہو
تلوار کا دھنی ہو، بہادر ہو، شیر ہو

سنکر بہن کی باتوں کو تا دیر روئے شاہ — فرمایا دشمنوں نے نکالا وطن سے آہ
گھر میں خدا کے بھی نہ مسافر کو دی پناہ — منظور ہے انھیں کہ ہوں بچے مرے تباہ
دنیا پھری ہوئی ہے نہ کب تک بکا کروں
زینب تمھیں بتاؤ کدھر جاؤں کیا کروں

قریہ ہے کون سا نہیں پہنچے جہاں عدو — ناکے ہیں سب رکے ہوئے شہروں کے چارسو
فوجوں کو ہر نواح میں ہے میری جستجو — پائیں جہاں وہیں پہ بہائیں مرا لہو
شاید یہیں لحد کا مقام اماں ملے
غربت ہے دیکھوں منزلِ اول کہاں ملے

عباس دیکھو کہتی ہیں کیا بنتِ بوتراب — بہتر ہے تم سے کون پئے انتظام آب
بھائی خدا کی راہ میں سقائی ہے ثواب — سچ ہے یہ گرمیاں یہ صغیروں کا اضطراب
کچھ ہے کسی کو ہوش کوئی بے زبان ہے
جائیں بچا لو ان کی کہ پانی میں جان ہے

سنتے رہے بیانِ شہنشاہِ سرفراز — اُف اُف کبھی جو کی تو کبھی آہ جانگداز
بولے قدم کی سمت جھکا کر سرِ نیاز — خادم کی آبرو ہوئی اے خسروِ حجاز
روتا ہوں سب کی تشنہ دہانی کے واسطے
اپنا لہو بہاؤں گا پانی کے واسطے

عزت ہے خدمتِ حرمِ پاک و محترم — اب آبدار خانوں میں پانی نہ ہو گا کم
حاضر ہوں جاں نثاری کو جبتک ہے دم میں دم — کیا جان آئے چھپ کے بھی گر فرقۂ ستم
شب خوں پڑے تو تیغ سے دن کردوں رات کو
برسے جو آگ بھی تو نہ چھوڑوں فرات کو

تشویش کس لئے ہے تردد یہ کیا ضرور
حفظ از فساد تا بہ کجا اے شہِ غیور
بس اب کہیں نہ جائینگے آئیں وہ پُر غرور
لاشوں کے پل بندھے کہ اُدھر کھل گیا حضور
ڈوبیں کدھر کے گھاٹ یہ فوجیں بڑھی ہوئی
اُتریں کہاں یہ خون کی ندی چڑھی ہوئی

جھوما یہ کہہ کے، ہونٹ چباتا ہوا وہ شیر
بھائی کے جوشِ غیظ پہ روئے شہِ دلیر
فرمایا خیر ہم بھی ہیں اب زندگی سے سیر
صابر کو جلدیاں نہیں لازم ہیں گو ہو دیر
رہ جائیں حجتیں نہ جلال و عتاب میں
بھیا خدا بھی دیتا ہے مہلت عذاب میں

لب دریا خیمے لگنے کی تیاریاں

آئے حضورِ شہ کئی خدامِ باوفا
کی عرض مجرگاہ پہ جھک کر بس از ثنا
نصرت قریب ہو، عمر بڑھے، رد ہے بلا
برپا کہاں ہو بارگہِ خسروِ ہدا
ساماں ہو واں جہاں پہ ہو مرضی امام کی
اونٹوں پہ بار ابھی ہیں قناتیں خیام کی

شہ بولے دیکھ کر رخِ عباس نیک نام
اچھا جو مصلحت ہو تو ریتی پہ ہو مقام
کی عرض اس جری نے کہ جو مرضیٔ امام
لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں مقام
جو پائے قربِ نہر ہر اک جاں نثار ہے
فرمایا شہ نے نہر تمھیں اختیار ہے

یہ سن کے خود چلا سوئے دریا وہ ذی وقار　پیچھے بڑھے تمام عزیز و رفیق و یار
فراش و آب پاش کدھر ہیں ہوئی پکار　بچھوا کے فرش بیٹھ گئے شاہِ نامدار
کرسی وہاں بساطِ تہِ فرش ہو گئی
رفعت ملی کہ اتنی زمیں عرش ہو گئی

پہنچے اُدھر ملازم سرکار نہر پر　غل پڑ گیا اُترنے لگے بار نہر پر
پست و بلند سب ہوئے ہموار نہر پر　بیلیں بنیں زمیں ہوئی گلزار نہر پر
فراش بڑھ کے آ گئے جائے خیام پر
ایک ایک شے پہنچ گئی اپنے مقام پر

فوجِ یزید کی آمد

کاموں میں کارکن تھے اِدھر اور اُدھر رواں　مثلِ اسد ٹہلتے تھے عباسِ نوجواں
کوشش تھی اب بلند ہو خیمہ کہ ناگہاں　آندھی کے سامنے سے نمایاں ہوئے نشاں
خاک اُڑ کے اونچی جانے لگی کوہسار کے
نخل اُس طرف کے چھپ گئے گرد و غبار سے

لشکر میں اک پکار ہوئی بستروں پہ آؤ　آندھی اُٹھی ہے خاک سے اسباب کو بچاؤ
گھوڑوں پہ ڈال دو ہیں کدھر گرد پوش لاؤ　ڈر ہے ہوا سے تند کا زیرِ شجر نہ جاؤ
مانگو دعائیں دیکھئے اذاں میں اسی جگہ
گل کردو آگ فوج میں گر ہو کسی جگہ

بولے اُدھر یہ حضرت عباس خوشخصال | تم اپنے کام پر رہو حافظ ہے ذوالجلال
اِس سرزمیں پہ ہوتے ہیں برپا خیامِ آل | آندھی ہو کچھ ہو یاں تو ملک آئے یہ کیا مجال
قبضہ میں آب و آتش عالم تمام ہے
سب خاک و باد تابعِ حکمِ امام ہے

ہم بوترابیوں کو ہے کیا گرد کا خطر | بارانِ رحمتِ صمدی پر ہے یاں نظر
کیوں خاکدانِ دہر میں مخلوق کا ہو ڈر | جھونکے ہوا کے کیا اِدھر آئے گئے اُدھر
لیں خاکسار منہ سے جو نامِ کریم کو
آندھی تو کیا ہے روک دیں بادِ عقیم کو

ناگاہ آئی دور سے باجوں کی کچھ صدا | پیدا ہوئی سیاہیِ لشکر بھی جا بجا
تھرایا بارِ فوج سے صحرائے کربلا | گیتی کا زلزلہ ہوا محسوس زیرِ پا
ظلمت سیہ نشانوں کی آگے بڑھی ہوئی
اک رات تھی کہ آتی تھی دن پر چڑھی ہوئی

غل پڑ گیا یہ شام کے لشکر کے ہیں نشاں | ہاں صبح کر دو پھاڑ کے ڈھالوں کا آسماں
نزدیک اب ہے تیغ زنی وقتِ امتحاں | چل کر وہیں نپٹ لو وہ آنے نہ پائے یاں
حضرت بھی کچھ کہیں گے نہ پھر شور و شر کے بعد
آقا کو معرکے کی خبر ہو ظفر کے بعد

ہم ہیں غلام خاص جنابِ امیر کے | آتے ہیں کب خیال میں غول اس بھیڑ کے
ٹھہریں گے بھاگ کے پلّے یہ تیر کے | چھٹتے ہیں سے کر لو سپاہِ شریر کے
بڑھ جاؤ اپنی اپنی طرف کارزار کو
ایک ایک دلیر کافی ہے دو دو ہزار کو

بڑھ کر پکارے حضرتِ عباس صف شکن　　اے مرحبا یہ جوشِ شجاعت کے ہیں سخن
تم کیوں بڑھو خود آتے ہیں زد پر وہ بد چلن　　پہنچے ادھر سے شیر کہ بس ہو گئے ہرن
مردوں کے وار چلتے ہیں یا مرد قوم پر
جاتے ہیں مرد بھی کبھی نامرد قوم پر

جرأت اسی کو کہتے ہیں تھوڑوں پہ چڑھ کے آئیں　　بس منتظر ہیں ڈانٹ دے کوئی تو بھاگ جائیں
یاں تک پہنچ لیں تب انھیں سیر عدم دکھائیں　　آنے نہ پائے یہ ہو آ کر نہ جانے پائیں
اس طرح خاک میں صفِ افواج شر ملے
پیچھے جو رہ گئے ہوں نہ ان کو خبر ملے

یہ ذکر تھا کہ بھر گیا میداں سپاہ سے　　صحرا تمام ہو گیا پنہاں نگاہ سے
نعرے گئے جو بڑھ کے شریروں نے راہ سے　　بھاگا لرز کے امن مقام پناہ سے
دوڑے فرس کہ آ گئی آفت جہان پر
اُڑ کر چلا زمیں کا طبق آسمان پر

فربہ وہ پہلوانوں کے اُلٹے ہوئے بدن　　کہنے کو آدمی یہ حقیقت میں اہرمن
جاموسِ دم بریدہ کوئی، کوئی کرگدن　　ہمتن نہ جن سے تن میں تہمتن سا پیل تن
ترکیب و وضع و صورت و ہیئت مہیب تھی
برزخ تھی جس کی جو وہ عجیب و غریب تھی

ڈاڑھے وہ تا بہ ناف وہ موچھیں کھڑی تمام　　آنکھیں کبود و زرد تو چہرے سیاہ فام
کالا تھا ورد یوں سے بھی کالا ئے اہل شام　　مشکیں ہر اک سمند بھی بدزین و بدلگام
منحوس و شوم افسر خانہ خراب بھی
تھا بد رکاب مرکب ابن رکاب بھی

ابن رکاب کی نعرہ سرائی

بڑھ کر یہ نعرہ زن ہوا وہ افسر سپاہ
فوج آگئی اٹھاؤ یہ کس کی ہے بارگاہ
گرمی میں نہر پر ہے اُترنے کی سب کو چاہ
ہٹ جاؤ جلد تر کہ نہ ہو قافلہ تباہ
لشکر ہے بس یہی شہ گردوں سریر کا
کدر نہ لوٹ لے کہیں فوج امیر کا

گھوڑوں کی اس طرف سے جو اُٹھ جائیگی عناں
ٹاپوں سے یوں پسو گے نہ رہ جائیگا نشاں
یہ عسکر کثیر کہاں یہ سپہ کہاں
کیا لڑسکو گے کرتے ہو جانوں کو رائیگاں
تم لوگ ہم یہ ہاتھ سے دریا کا گھاٹ دیں
ایک ایک مشت خاک جو ڈالیں تو پاٹ دیں

لشکر ابھی یہ کیا ہے کہ آئے ہیں کچھ سوار
فوجوں سے ہیں بھرے ہوئے صحرا و کوہسار
تا شام و کوفہ ایک ہے ہر شہر و ہر دیار
آئیں سمٹ کے سب تو نہ گیتی اُٹھائے بار
ہو اس قدر رسد کی گرانی نہ مل سکے
غلے کا ذکر کیا کہیں پانی نہ مل سکے

ہم سب سے پہلے اسلئے آئے بصد شتاب
دریا کو تم پہ روک دیں قطرہ نہ پاؤ آب
کوثر ہے کچھ یہ نہر کہ مالک ہیں بوتراب
بہلے سے مریں ڈھے جنھیں بیعت سے اجتناب
پھر ہم کو کیا کہ بادشہ مشرقین ہیں
ہونگے اگر نبی کے نواسے حسین ہیں

بیکس کا ساتھ دینے میں سوچے ہو کیا مآل
ہو جائے گا خود اپنا بچانا تمہیں محال
بپھرے یہ سن کے ضیغمِ ضرغامِ ذوالجلال
نعرے کئے کہ کانپ گیا وادیٔ قتال
وہ کیا یہ رُک نہ سکتے تھے ساری خدائی سے
اتنی ہزیر گونج کے نکلے ترائی سے

بولے یہ سب کو روک کے عباس نیکنام
تھم جاؤ کیا ضرور ہے اس درجہ اہتمام
واجب ہے پردہ داروں کے خیموں کا انتظام
ہے سامنے سے ان کا ہٹانا بھی کوئی کام
مزدور ہیں سدا کے سپاہی یہ کب کے ہیں
بھاگیں گے خود سنک ہیں کہ وحشی عرب کے ہیں

فرما کے یہ غضب میں چڑھائی جو آستیں
تھرا گیا نہیب جلالت سے دشت کیں
غصّہ میں صف شکن کی ہوئی پُر شکن جبیں
ابن رکاب دب کے ہٹا رک گئے لعیں
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے بل ابرو پہ ڈال کے
دیکھا اسد نے صید کو آنکھیں نکال کے

جوابِ جنابِ عباس

جھپٹے پکڑ کے تیغ کو ہتوانس بی بیسر
دو لشکروں کے بیچ میں آکر بہ کرّ و فر
للکارے یوں کہ کون ہے تو اور زبوں سیر
بڑھنا ہے گر تو بڑھ نہیں آپ گئے ہم اُدھر
لازم ہے مرد کو جو کہے منہ سے کر ہٹے
بس حد وہ ہے قدم نہ اُدھر سے اِدھر ہٹے

جاتی ہے آبرو نہیں تلوار کو سنبھال اب منہ پہ اُڑ رہا ہے دھواں کیوں اُٹھا تو ڈھال
ساحل تک آئے فوج یہ کیا جان کیا مجال کردیں زمیں پہ خون کا چہلا دمِ جدال
رسی دراز بھی ہو تو سب بل نکال دیں
بھاگڑ میں جو گرے اُسے دریا میں ڈال دیں

اُو ضال اُو ذلیل تری آبرو ہے کیا "خیمہ اُٹھا لو نہر سے" یہ گفتگو ہے کیا
آ بیگی جو وہ کیا ہے یہ فوجِ عدو ہے کیا کیا بھونکتا ہے او سگِ ناپاک تو ہے کیا
روکے جو بڑھ کے خیمۂ شاہِ دلیر کو
گردن پکڑ کے سامنے دوڑا دیں شیر کو

آگے ہمارے خیرہ سری جلد سر جھکا تکتا ہے ساتھ والوں کو، گردن ادھر جھکا
نامرد منہ چھپائے گا نیچے سپر جھکا یہ آنکھ ہے علی ولی کی نظر جھکا
ضیغم ہیں جاں نثار امامِ دلیر کے
دیدوں کی خیر مانگ یہ ناخن ہیں شیر کے

ہونگے خیام آلِ پیمبر ترائی میں اُترے ہیں شیر بیشۂ حیدر ترائی میں
آنا ہے سہل آئے تو لشکر ترائی میں پل باندھ دیں سروں کے سراسر ترائی میں
آبِ رواں کو تیغ سے ٹھہرا دیں ڈٹ کے
دیوار کردیں نہر کو لاشوں سے پاٹ کے

رہزن ہیں جمع فرقۂ بے نام و ننگ کیا جانیں یہ لوگ سا کھے سے لڑنے کا ڈھنگ کیا
ان کی سنان و نیزہ و تیر و تفنگ کیا لڑکوں کا کھیل سا ہے یہ آلاتِ جنگ کیا
بچے بھی یاں کے غول ہیں ایسی بھیڑ کے
تیغوں کو رکھدیں توڑ کے ڈھالوں کو چیر کے

ڈالیگا کیا کوئی سپرِ میداں وغا کی طرح   بھاگے گا ایک حملہ میں لشکر ہوا کی طرح
جھپٹیں جو تیغ اٹھا کے شہِ لافتا کی طرح   دہلنے جائیں دل ہیں فوج کی خیبر کشا کی طرح
دم بھر میں وار پار ہوں دو ہاتھ چھوڑ کے
ڈھالیں یہ کیا پہاڑ کو در کر دیں توڑ کے

دشمن بہت ہوں رن میں کہ تھوڑے نہ تھم سکیں   جب تک کہ کوئی پاؤں نہ توڑے نہ تھم سکیں
تلوار کیسی یوں بھی بھگوڑے نہ تھم سکیں   کوڑا ابھی پکڑ لیں تو گھوڑے نہ تھم سکیں
بھاگڑ مچے شکست انھیں بے جدال دیں
میداں سے بھاگتا ہو اگلہ نکال دیں

بے دیں ہیں سب عدو جو امام ولی کے ہیں   ہادی سے منحرف ہیں تو پھر کس گلی کے ہیں
بودے ہیں، لوگ کیا یہ تری ازدلی کے ہیں   دونوں یہ ہاتھ زورِ مجسم علی کے ہیں
چوٹی پکڑ کے کوہ کی ریتی پہ کھینچ لیں
نیچا دکھا دیں چرخ کو تیغ پہ کھینچ لیں

عالم کے یادگار جری صاحبانِ فن   رن سوردہ جواں کہ لرزتا ہے جن سے رن
گردن کشانِ دہر عدو گیر صف شکن   سرہنگ، خانہ جنگ، سلحشور تیغ زن
سب ہیں جھکائے سر اسی دستِ بلند سے
دعویٰ ہے کچھ تجھے تو اتر پڑ سمند سے

آ جم کے دو دو ہاتھ ہو لیں بڑھ کے میاں سے   سبقت تو کر پھر آئے مزا امتحان سے
سب دیکھیں چوٹ چلتی ہے کس آن بان سے   کس کس چمک سے گرتی ہے برق آسمان سے
کھل جائے ڈر سے کتنے جھجک کر جواں گرے
پھر زرے سپر کے اڑ گئے کتنے کہاں گرے

پا مردکب ہے دور کی چل پھر سے گر پڑے ۔ مر کے نہ پھر قدم سے قدم باندھ کر اڑے
جھپکے نہ آنکھ جب نظر سے نظر لڑے ۔ تلواریوں چلے کہ سپر سے سپر لڑے
بڑھ جائے لطف گھات سے تیغ آزمائی کا
لڑنے میں پیلیوں کے مزہ کیا لڑائی کا

چہروں پہ گل سے گھاؤ دکھائیں نئی بہار ۔ زخموں کی بدھیوں کے پڑے ہوں گلو میں ہار
ڈھالوں پہ دونوں سمت سے پڑتی ہو خوں کی دھار ۔ اُڑتے ہوئے ہوا میں شیاشپ اُن ہوں وار
دم لیں نہ جب تلک کہ زمیں آشنا نہ ہوں
مٹھی سے ہاتھ کٹ کے بھی قبضے جدا نہ ہوں

گر یہ نہیں تو ہٹ تری جنگ جدال کیا ۔ سر کھیت رہ گئی ہم سے یہ فوج ضلال کیا
پوچھ اُن کے دل سے تیغ زنوں کا بے حال کیا ۔ جب کھنچ گئی تو پھر ہو نکاسی مجال کیا
ٹل جا بچالے جان ابھی لڑ کر مفر نہیں
او خانہ جنگ دیکھ یہ میدان ہے گھر نہیں

ہم شیر بیشۂ اسدِ قلعہ گیر ہیں ۔ ہم سرفروشِ راہ خدائے قدیر ہیں
ہم جاں نثارِ خسروِ گردوں سریر ہیں ۔ ہم ورثہ دارِ زورِ جناب امیر ہیں
ہم ہیں کہ چلنے دیں نہ کسی پر وغا کا زور
ہم میں علی کا زور علی ہیں خدا کا زور

وہ زور جس سے ساکنِ خیبر ہوئے ہلاک ۔ ابتک وہ در کھلا ہے بندھی ہے جہاں میں دھاک
قوت دکھائیں لے کے جو نام علیٔ پاک ۔ یوں ہاتھ پر زمیں ہو ہتھیلی پہ جیسے خاک
کر نا نہ ہو خراب جو دہر خراب کو
اسطرح رکھ دیں پھر کہ نہ جنبش ہو آب کو

نازاس پہ کیا مدد کو سپاہ کثیر ہے　　جواں ہیں ہے وہ ضال و ذلیل و حقیر ہے
کدرّ بھری ہوئی یہی فوجِ امیر ہے　　کعبہ پہ گر چڑھی ہے تو کیا، یہ بھیر ہے
لٹتے ہیں ناصران حرم بھی بھلا کہیں
غارت نہ کر دے سب کو عذاب خدا کہیں

گو فوج اِدھر بہت ہے، اُدھر کم ہیں جاں نثار　　پر ایسی چونٹیوں کی قطاروں کا کیا شمار
پاؤں سے روند ڈالیں گے شیرانِ روزگار　　یہ بھی خبر نہ ہوگی پسے کب ستم شعار
مرنے میں دیر کیا کہ اجل سے قریں ہیں یہ
حشران کا دیکھنا حشراتِ زمیں ہیں یہ

لشکر فرات پائیگا بےخوف و بیم و باک　　چاہیں جو او نحس ابھی قصّہ ہو سب کا پاک
زندہ ہی گاڑ دیں اُسے ڈالے جو مُشتِ خاک　　فوج آئے نہر پر تو ڈبو کر کریں ہلاک
پانی میں بھر دیں ظلم شعاروں کو کھینچ کے
دریا کو بند کر دیں کناروں کو کھینچ کے

فوجیں جو دُور دُور فراہم ہیں وہ بھی آئیں　　حیلہ ہے یہ بھی ایک کہ غلّہ کہاں سے پائیں
ہیں سب نمک حرام کڑی پڑے کے بھاگ جائیں　　حاضر دم نوالہ ہوں منہ کام سے چرائیں
لڑنے کے بیچیا نہ کسی اور کام کے
پیٹوں میں ہیں بھرے ہوئے لقمے حرام کے

مرتدِ شریر، دشمن اولادِ بوتراب　　جنکے طریقِ زشت و زبوں میں گنہ ثواب
بدبخت، شوم، بوم سیر، بدتر از کلاب　　ٹھہریں جہاں وہ مسکن آباد ہو خراب
غلّہ کی سیچ ہے واں ہو گرانی نہ مل سکے
ایسے وہ نحس تر ہیں کہ پانی نہ مل سکے

آئی ہے سب کے آگے جو یہ فوج پر دغل جائیگی یوں ہی پہلے جہنم میں منہ کے بھل
دونوں جہاں پہ قبضۂ سرور ہے برمحل دریا بھی اختیار میں کوثر پہ بھی عمل
پڑھ کر درود سبطِ رسولِ انام کہہ
نامِ امام لے کے علیہ السلام کہہ

مانا نہ کچھ نبی سے نہ تجھکو خدا سے کام کلمہ یزید پڑھتا ہے کس کا بتا تو نام
حیرت کی جا ہے سب ہوں شریکِ امیرِ شام عبرت کی جا ہے ہم نہ کریں نصرتِ امام
مرتد ہے وہ یہ جانِ رسولِ کریم ہے
وہ قطرۂ نجس ہے یہ درِّ یتیم ہے

بیکس کا ساتھ دینے میں سوچے ہیں جو مآل او بد مآل بعدِ اجل وہ کہے گا حال
کردیگا ہم کو سایۂ طوبیٰ وہاں نہال پھونکے گی تجھکو آتشِ صد قہرِ ذوالجلال
کعبہ ہے ہم اس طرف تری جانب کنشت ہے
دوزخ ترا مکاں ہے گھر اپنا بہشت ہے

بچنا محال شر کا ہے کیوں بانیٔ جفا ممکن نہیں ہے کیا کہ الٹ جائے کربلا
جانیں بچالیں پہلے خود اپنی تو اشقیا گھیرے انھیں عذابِ الٰہی ہے برملا
بھاگے بھی راستہ کسی جانب نہ پائیں
بس ایک رہ اجل ہے کہ دوزخ میں جائیں

جھومے یہ کہہ کے غیظ میں عباس نامور تھرا گئی سپاہ دبا وہ زبوں سیر
نکلے صفوں سے چھنٹ کے کئی سو سوار ادھر کہنے لگے ہیں آپ اسد اللہ کے پسر
قائل ہیں سب حضور جری ہیں دلیر ہیں
ہم بھی دمِ مقابلہ میداں کے شیر ہیں

ڈرامائی مکالمے

فرمایا "پھر دبکتے ہو کیوں صورت شغال"
بولے "بس اب بڑھے" تو صدا دی بصد جلال
"ہٹ جاؤ سب" یہ سن کے پکارے وہ بد خصال
"لے لیں گے ہم فرات کو" ڈانٹا کہ "کیا مجال"

واں غل ہوا کہ ٹوک لیں خیبر عرب کو ہم
گرجا ہزبر ادھر کہ الٹ دیں زمیں کو ہم

"بڑھ کر کہا گھٹا سے اب امڈے گی فوج شام"
آواز دی جری نے کہ "بجلی ہے یہ حسام"
بھونکے وہ سگ ترائی سے کیا آپ کو ہے کام؟"
گونجا اسد "یہ شیروں کے رہنے کا ہے مقام"

چنگھاڑے سب وہ دیو کہ "گھوڑے اٹھاتے ہیں"
نعرہ کیا "تم آؤ گے کیا لو ہم آتے ہیں"

جنگ

یہ کہہ کے اس جلال میں جھپٹے کہ الحذر
بولے یہ ان سے ابن رکاب آ کے جلد تر
الجھو نہ اس اسد سے سرک جاؤ سب ادھر
میں لے کے ساری فوج کو ہوتا ہوں حملہ ور

وہ شیر ہے کہ مثل نہیں کائنات میں
تم جا کے گھوڑے ڈال دو نہر فرات میں

تدبیر یہ ہے واں جو ہیں مردان سرگزار   سبقت نہ تم نے کی تو نہ وہ بھی کرینگے وار
پھر کیا رکوگے سو سے بہت کم وہ، تم ہزار   یوں نہر لوٹ لے تو بڑی ہوگی کارزار
سنتے ہی پیل ہر اک یل بیداد گر بڑھا
وہ اسطرف کو بڑھ گئے لشکر ادھر بڑھا

عباس نامور نے یہ شیروں کی دی صدا   لینا اٹھیں سنبھلنے نہ پائیں یہ اشقیا
ہوتا ہے دیکھو خیمہ اطہر وہاں بپا   ترہو نہ ان کے خون نجس سے کہیں وہ جا
تلوار ماریو نہ کسی روسیاہ کا
ڈھالوں کی ادجھڑوں سے بھگا دو سیاہ کو

سنتے ہی نعرہ زن ہوئے جھپٹے دلیر ادھر   رستے ہی میں وہ تھے کہ لب جو پہ تھے شیر نر
ڈالا کسی نے ہاتھ کسی کی لگام پر   منہ پر کسی فرس کے کسی کی پڑی سپر
پھینکا کسی نے گرز کسی زور مند سے
کھینچا کسی نے بڑھ کے کسی کو کمند سے

پکڑا گلا کسی نے کسی بد شعار کا   پہنچا لیا کسی نے کسی نابکار کا
جھٹکا کسی نے ہاتھ کسی شہسوار کا   توڑا کسی نے پاؤں کسی راہوار کا
پھینکی کسی جری نے عناں کوئی توڑ کے
ٹپکا کسی نے رخش کو گردن مروڑ کے

تن کر کسی کی ابن مظاہر نے لی کماں   کھینچی ہلال نے کوئی شمشیر جاں ستاں
ضرغامہ واسعد نے بھی ڈانٹا جو ناگہاں   کانپے فرس لرز گئے نیزے جھکے نشاں
کی بڑھ کے صبح سعد نے ہر حس تمام کی
گھوڑوں کی باگ تمامہ نے ترک تمام کی

اکبر جو نیزہ داروں کی جانب جھپٹ کے آئے — بے جنگ بند بند لعینوں کے تھرتھرائے
قاسم کے ڈر سے تیغ زنوں نے یہ منہ چرائے — گھونگھٹ سپاہ کھا گئی ڈھالوں سے رخ چھپائے
زینب کے لال جھپٹے جدھر مار دھاڑ میں
تھرا کے بھائی چھپ گیا بھائی کی آڑ میں

حربے سنبھالتے کوئی کیونکر وہ اشقیا — مہلت بھی اتنی تھی کہ ہلاتے وہ دست و پا
یوں آ پڑے جری کہ نہ ثابت ہوا ذرا — یہ شور ادھر سے تھا کہ کب آئے ہوا یہ کیا
شیروں سے معرکہ ہے بڑھیں کیا لڑائی میں
گھوڑے تو اب قدم نہیں دیتے ترائی میں

بھاگے بری طرح سے سواران خود پسند — سب کاٹھیاں جھکی ہوئی بھڑکے ہوئے سمند
پہنچی ہر اک رکاب ادھر کی ادھر بلند — سالم تھی کوئی باگ نہ پوری نہ زیر بند
زرہوں کی طرح زین کے دامن پھٹے ہوئے
دونوں طرف لٹکتے تھے جوشن کٹے ہوئے

یاں تو یہ معرکہ ہوا اور واں ابن رکاب — سب فوج سے بڑھا ہے بصد رنج و پیچ و تاب
مڑ مڑ کے کہہ رہا ہے کہ یارو بڑھو شتاب — جھپٹو سنبھلنے پائے نہ فرزند بوتراب
کوئی مدد کو آ نہ سکے یوں جدال ہو
اس طرح گھیر لو کہ نکلنا محال ہو

غازی نے اسکی ہرزہ درائی سنی یہ جب — نعرہ کیا وہیں سے سنبھل او عدوئے رب
شیر آ پڑا شکار پہ کیونکہ ہٹتے وہ اب — دستانہ مارا منہ پہ فرس کے بصد غضب
مہلت نہ دی سنبھلنے کی خانہ خراب کو
گھوڑے سمیت اٹھا لیا ابن رکاب کو

لے دوڑے چاہتے تھے کہ پھینکیں لعیں کو دور
ہاں ہاں کا شور کرکے بڑھی سب سپاہ زور
لپکے اٹھا اٹھا کے سنانوں کو بے شعور
اٹھا غریو مچ گیا ہنگامۂ نشور
دوڑے سوار دوڑے گھوڑوں کو پھیر کے
غل تھا شکار چھین لو پنجے سے شیر کے

حربے کو دور دور اٹھائے تھے کینہ خواہ
پاس آ کے کیا مجال تھی روکے جو کوئی راہ
ہلچل تھی جس طرح سے کوئی قافلہ تباہ
سردار کو پکڑ لیا اب کیا کرے سپاہ
سب مل کے حملہ ور ہوں تو افسر ہلاک ہو
پٹکیں ابھی زمیں پہ تو پیوند خاک ہو

کوئی ہٹا بڑھ آیا پئے مکر و شر کوئی
غل بھاگ کر مچانے لگا بد سیر کوئی
تقریر صلح کرنے لگا حیلہ گر کوئی
گھبرا کے اس طرف کوئی دوڑا ادھر کوئی
سوچے کچھ اہل زور یہ تدبیر کام کی
دینے لگے صدا کہ دہائی امام کی

تڑپا بہت جو دست زبردست میں سمند
جھٹکا دیا کہ ٹوٹ گیا جس سے زیر بند
گھوڑا چلا زمیں کو گرا وہ دغا پسند
بھاگا جو لوٹتا ہوا غوغا ہوا بلند
دوڑے جھپٹ جھپٹ کے عدو ہر مقام سے
لی بڑھ کے تیغ تیز جری نے نیام سے

آ پہونچے اس طرف سے بھی جرار دوڑ کر
تلواریں سب نے کھینچ لیں ایکبار دوڑ کر
پہنچے ادھر سے بھی وہ جفاکار دوڑ کر
نزدیک تھا کہ کرنے لگیں وار دوڑ کر
تھرائی ارض غلغلۂ کارزار سے
کانپا سپہر شور بگیر و بدار سے

اہل بیت کی حالت

یاں تو یہ معرکہ ہے اُدھر اہل بیت شاہ
مضطر ہیں سن رہے ہیں جو غوغائے رزم گاہ
فضہ نے کی بلندی محمل سے جو نگاہ
چلائی پیٹ کر کہ دہائی ہے یا اللہ

ہے ہے یہ کیسی فوج ہے کون اہل جور ہیں
تلواریں کھنچ گئی ہیں لڑائی کے طور ہیں

بلوہ ہے ہر طرف سے بڑھ آئے ہیں نابکار
باندھے ہیں سرکشی پہ کمر سب ستم شعار
برہم ہیں اس طرف شہ بیکس کے جاں نثار
لو صاحبو وہ بڑھ گئے عباس نامدار

نیزے بڑھے ہیں واں سے کہ روکیں دلیر کو
جنگل کو زلزلہ ہے وہ غصہ ہے شیر کو

لو اب صفوں پہ اکبر عالی ہمم چلے
قاسم بھی لو پہنچ گئے دونوں بہم چلے
پوتوں پہ لو عقیل کے اہل ستم چلے
لو سب ادھر سے یاور شاہ امم چلے

ہیں چاک آستینوں کے اوپر چڑھے ہوئے
لڑکے ہیں کچھ جوانوں سے آگے بڑھے ہوئے

بھاگا ہے کوئی افسر فوج دغا شیم
جھپٹے ہیں اس پہ عون و محمد بصد حشم
غصہ ہے ننھے ہاتھوں میں ہیں تیغ علم
بڑھ بڑھ کے تھام لیتے ہیں اکبر جو دمبدم

کرتے ہیں عرض چھوڑئے خود سر بچار ہیں
بچے مچل گئے ہیں کہ لشکر پہ جا پڑیں

ہے ہے کوئی جوان میں سے زخمی ہوا کہیں — کیا جانیئے کہ روئیں گے کتنا امامِ دیں
رنگ اُڑ گئے یہ سنتے ہی کانپی ہر اک حزیں — غل پڑ گیا دہائی ہے یا ختمِ مرسلیں
رد کیجیے اس امت بد کی بھیر کو
بھجوائیے نجف سے جناب امیر کو

باشندے یاں کے جو ہیں بلاؤ انھیں ذرا — پوچھو تو بےخطاؤں نے کی کون سی خطا
اُترے نہیں ابھی کہ چڑھ آئے ہیں اشقیا — پردیسیوں پہ کیا سببِ بدعت و جفا
جنگل میں بھی مقام مسافر کا شاق ہے
کیوں رہنے والو کیا یہی رسمِ عراق ہے

خط لکھ کے کوفیوں نے بلایا تھا تب ہم آئے — دعوت میں کیا خبر تھی عداوت کی ہائے ہائے
عترت نبی کی بہر حمایت کسے بلائے — اے بے دیارو کون تمھاری مدد کو آئے
کیا رحم یاں گناہ ہے آلِ رسول پر
پہنچا دے ہم کو کوئی مزارِ بتول پر

بنت علی جناب زینب کا جلال

زینب بھی مضطرب ہوئیں سن کر یورش کا حال — پر یہ علی کی بیٹی ہیں غیظ آگیا کمال
بولیں نہ روؤ صاحبو حامی ہے ذوالجلال — فضّہ کدھر ہیں دیکھو تو عباس خوش خصال
جلدی مری طرف سے قسم دے پکار کے
بھیّا بھگا دو فوج کو تلواریں مار کے

حیدر کی طرح بڑھ کے الٹ دو یہ رن ہے کیا　　توڑو پروں کو مجمع پیماں شکن ہے کیا
روئیں بدن ہے کیا کوئی فولاد تن ہے کیا　　تم سا بھی دوسرا کوئی شمشیر زن ہے کیا
عادی ہیں حرب و ضرب میں ڈھالوں کی آڑ کے
دھنس جاؤ دل میں فوج کے بادل کو پھاڑ کے

قبضہ پکڑ کے صارمِ خارا شگاف کا　　منہ پر چکوں سے توڑ دو اہلِ گذاف کا
باقی رکھو نشاں نہ سپاہِ خلاف کا　　طبقہ الٹ پلٹ دو زمینِ مصاف کا
رن ہو، نہ دشت ہو، نہ ترائی، نہ گھاٹ ہو
کوفے تک ایک خون کی ندی کا پاٹ ہو

دشمن ہر اک ہے خسروِ عالی جناب کا　　بھاگے سقر کو غول سپاہِ عذاب کا
دکھلا دو زورِ ضرب ولایت مآب کا　　ستھراؤ کر دو لشکرِ خانہ خراب کا
یوں فوج بول جائے کہ رن کانپنے لگے
بولے رن اس طرح سے کہ بن کانپنے لگے

باطل پرست ہیں کوئی حق بیں نہ حق پژوہ　　جلدی مٹا دو لشکرِ مغرور کی شکوہ
یوں گھیر لو کہ بھاگنے پائے نہ یہ گروہ　　اس طرح حملہ ور ہو کہ مثلِ صدائے کوہ
نعروں کے ساتھ ظلم کا بن بولنے لگے
جب غل علی علی کا ہو رن بولنے لگے

پنجوں سے تیغیں چھین لو پہونچے مروڑ کے　　پٹکو نشان پھینک دو نیزوں کو توڑ کے
صفین میں یہی تھے کہ جی چھوڑ چھوڑ کے　　کیا کیا صفوں سے بھاگے تھے منہ موڑ موڑ کے
کیوں یاد ہے وہ رن سے پلٹنا ظفر کے ساتھ
بھیا تم ان سے لڑ بھی چکے ہو پدر کے ساتھ

سمجھے ہیں کیا وہ گو کہ ہے غربت وطن نہیں — کوئی معین حالت رنج و محن نہیں
دنیا سے اُٹھ گئے شہ خیبر شکن نہیں — تنہا ہیں اب حسین کے سر پر حسن نہیں
کوئی نہیں ہے رونے کو خواہر تو ساتھ ہے
تم سا جوان شیر برادر تو ساتھ ہے

اکبر سے مڑ کے کہہ دو کہ اے میرے گلعذار — بڑھنے دو اپنے دونو غلاموں کو میں نثار
بھاگا کہاں ہے سرگروہ سپاہ ستم شعار — بچے یہ شیر کے ہیں نہ روکو دم شکار
گھس کر صفوں میں کاٹ کے فوج ضلال کو
گردن پکڑ کے لائیں گے باہر شغال کو

افسر ہے بزدلوں کا تو بزدل بھی ہے سوا — لڑکوں کا ایک کھیل ہے لڑنا ہے اس سے کیا
روکا تو تھا اسی نے کہ خیمہ نہ ہو بپا — دیکھو اب آکے یاں سے تماشہ لڑائی کا
لائینگے پُر خطا کو عذابوں سے کھینچ کے
باندھیں گے بارگہ میں طنابوں سے کھینچ کے

تم چاہتے ہو رن کو نہ جائیں ہیں خورد سال — سر پر ہوں آپ ان سے لڑکے جوانوں کی کیا مجال
تیغوں سے کھیلنے نہ لگیں ہاں یہ ہے خیال — لے لیجو ہاتھ سے جو اٹھالیں کسی کی ڈھال
آنکھیں دکھاتے رہیو یہ ہیں ناخبر ابھی
بہلا نہ لے وغا میں کوئی حیلہ گر ابھی

صدقے میں تیرے اے مرے بھائی کے آفتاب — کتنے دل و جگر کو ہیں سو اس پیچ و تاب
سر ہو لے یہ مہم تو پلٹیو بصد شتاب — تشویش ہے پھپھی کو پدر کو ہے اضطراب
خود جنگ کو نہ تیغ و سپر باندھنے لگیں
ایسا نہ ہو حسین کمر باندھنے لگیں

ڈھانپا یہ کہہ کے منہ جو بصد نالہ و فغاں بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ انس و جاں
فرمایا دو نو لال ہیں وہ میرے تن کی جاں حاشا نہ لڑنے دونگا انھیں و ہیاں ہے کہاں
کیونکر جیوں جوان پہ کوئی پیچ آ پڑے
بچوں سے کھیلتے تھے کہ لشکر پہ جا پڑے

تم نے تو جوش غیظ میں ایسے کیئے سخن میں جن کو سن کے کانپ گیا کیا کہوں بہن
سن لیں خدا نہ کردہ جو عباس صف شکن رہجائے پھر یہ امت محبوب ذوالمنن
دیکھو وہ اور وقت ہے جرأت کے واسطے
آیا ہوں میں تو انکی ہدایت کے واسطے

حسرت یہ ہے اُٹھا کے مروں بے شمار جبر تڑپے نہ روح جھیل لے یوں جان زار جبر
غصہ نہ آئے دل پہ کروں اختیار جبر صابر رہوں ہزار ستم ہوں ہزار جبر
بدلہ نہ ان سے لوں تمنّی اسی کا ہوں
بیٹا علی کا ہوں یہ نواسہ نبی کا ہوں

میدان میں جاکر امام حسین کا لڑائی روکنا

یہ کہہ کے جلد جانب میداں چلے امام آواز دی وہیں سے کہ اے ساکنان شام
ہٹ جاؤ سب کے سب نہیں ہو جاؤ گے تمام دیکھو ادھر ہم آتے ہیں عباس نیک نام
روکو حسام تیغ علی کی قسم تمھیں
یہ قبضۂ علی ہے اسی کی قسم تمھیں

ہاں ہاں مرے ہژبرِ صفِ کارزار بس — اے شیرِ بیشۂ اسدِ کردگار بس
بس میرے یادگارِ جواں میں نثار بس — بس اے مرے برادرِ عالی وقار بس
یہ کیا ہیں، تم تو دیو فلک کو بھی ٹوک لو
پر آج مصلحت ہے کہ غصے کو روک لو

کیا ہے کہ برہمی کا خیال آگیا تمہیں — کس بحث پر یہ جوشِ جدال آگیا تمہیں
تکرار کیا تھی جس پہ ملال آگیا تمہیں — امت پہ بھائی جان جلال آگیا تمہیں
تا حدِ صبر غیظ میں آنا نہ چاہیے
یہ وہ ہیں جن پہ ہاتھ اٹھانا نہ چاہیے

اے ثانیٔ علی تری شوکت کے میں نثار — اے میرے ذی حشم تری صولت کے میں نثار
اے میرے صف شکن تری جرأت کے میں نثار — اے میرے باوقار مری الفت کے میں نثار
اک دن کھلے گا ہے یہ بنا جس لڑائی کی
بھائی کی جان جائے گی چاہت میں بھائی کی

ان سے یہ گفتگو یہ طلاقت جو ہیں عوام — کیا جانیں یہ ذلیل فصاحت ہے کس کا نام
ان کور باطنوں میں فروغِ رخِ کلام — اندھوں کے سامنے ہے چراغ اے مہِ تمام
انساں نہیں، مگر جو بصد انفعال ہوں
سمجھیں سخن وہ کیا جو بہائم خیال ہوں

ایذائے سیدِ مدنی ان کا کام ہے — ہیں بد طریق بد چلنی ان کا کام ہے
طینت یہ ہے کہ دل شکنی ان کا کام ہے — عقرب کی طرح نیش زنی ان کا کام ہے
بھولے سے بھی نہ اہلِ وفا سے وفا کریں
بد اصل ہیں کبھی نہ خطا سے خطا کریں

بگڑو نہ یہ تو جہل مرکب ہیں بے حیا — باتوں کا جاہلوں کی برا ماننا ہے کیا
قول انکے نادرست ہیں فعل ان کے ناروا — بندوں کا ذکر کیا ہے خدا سے کریں دغا
پہنچیں جو خاک ہو کے بھی دیو لعیں کی طرح
پھیلا دیں آسماں پہ مفاسد زمیں کی طرح

فرزند شر یزید دشمن آل رسول پاک — کچھ بھی خدا سے خوف نہ ان کو نبی سے باک
بنیاد ظلم کھونے کو کرتے ہو گر ہلاک — ظالم یہ ایسے ہیں کہ پس از قتل ہوں جو خاک
ہنگامہ خیز ظلم ہو اس خاکداں کی طرح
کرنے لگے زمیں بھی ستم آسماں کی طرح

یہ ہیں وہی جنھوں نے پیمبر سے کیا لیا — پھر جب پیمبر اٹھ گئے حیدر سے کیا کیا
حیدر بھی رہ گئے نہ تو شبر سے کیا کیا — شبر کے بعد بندۂ بے پر سے کیا کیا
شبر پہ اور نبی و علی پر ہوئے نہ تھے
اب ہونگے وہ ستم جو کسی پر ہوئے نہ تھے

خود بیں ہیں، خود پسند ہیں خود سر ہیں یہ لعیں — ساری خدا کی خلق سے بدتر ہیں یہ لعیں
شیطاں کی طرح راندۂ داور ہیں یہ لعیں — تم ہادیٔ جہاں ہو، ستمگر ہیں یہ لعیں
ہر طرح فکر ان کی ہدایت کی ہم کریں
اتنے ستم سہو کہ یہ ترک ستم کریں

لے لیں فرات ظالم بدخو نہ بولیں ہم — ہونے نہ دیں خیام لب جو نہ بولیں ہم
سینے پہ کھائیں تیر سہ پہلو نہ بولیں ہم — تیغوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو بازو نہ بولیں ہم
گردن جھکا دیں خنجر خونخوار کے تلے
ماریں نہ دم گلا ہو جو تلوار کے تلے

تقلید صبر و حلم پدر چاہیے تمھیں — کرنا ہر اک بلا میں بسر چاہیے تمھیں
شر ہو تو رفع شر پہ نظر چاہیے تمھیں — دریا مقام شر ہے حذر چاہیے تمھیں
ناحق فساد کیوں ہو ٹھہرنے کے واسطے
صحرا پڑا ہوا ہے اُترنے کے واسطے

خالی جو خرخشے سے ہو وہ جا ملے کہیں — ریتی ہو یا ترائی ہو پروا ہمیں نہیں
آئے ہیں اپنی راہ چلے جائیں گے لعیں — سر پہ اٹھا کے کیا کوئی لیجائیگا زمیں
یہ لوگ چند روز معیّن ہیں کام پر
تم تو رہو گے حشر تلک اس مقام پر

ٹھہرو حبیب عون کو جعفر کو روک لو — جعفر بڑھو نہ قاسم بے پر کو روک لو
قاسم تھمو تھمو علی اکبر کو روک لو — اکبر تمھیں ہر اک مرے دلبر کو روک لو
بچوں کو جوش غیظ ہیں بیحد بڑھے ہوئے
رو کو ہیں سب سے عون و محمد بڑھے ہوئے

اے وہب اے ظہیر حق آگاہ و حق شناس — دونو کو قسمیں دو کہ تمھیں اب ہے نیک اساس
کیونکر رکے گا حملۂ افواج بے قیاس — بچے ہیں گودیوں میں اٹھا لاؤ میرے پاس
بہلاؤ اسطرح سے کہ غصہ کو ٹال لیں
مچلیں اگر تو اکبر مہرو سنبھال لیں

کہتے ہوئے یہ شاہ تو پہنچے اُدھر، یہ کب؟ — تلواریں ڈھالیں دونو طرف اٹھ چکی تھیں جب
سینوں سے کچھ ہی دور سنانیں تھیں سب کی سب — سب لب پہ تلے تھے کہ چل جائیں وار اب
سن کر صدائے شاہ لعیں اک ساتھ رک گئے
یہ معجزہ تھا دونوں طرف ہاتھ رک گئے

سب جھک گئے نشان تھے جو اس فوج میں علم — پکڑے زمیں نے گھوڑوں کے بڑھتے ہوئے قدم
یہ شیر چابنے جو لگے ہونٹھ دم بدم — جلد آئے بڑھ کے بیچ میں شاہنشہِ اُمم
فرمایا پیار سے انھیں تم بے قصور ہو
ڈانٹا انھیں غضب میں کہ ہٹ جاؤ دور ہو

تم کو بھی یہ مجال ہوئی کیوں سرانِ شام — یوں آ گئے مقابل عباس نیک نام
سنتے تھے ہم وہ ہرزہ سرائی کے سب کلام — اِین رکاب کیا ترے منہ میں نہ تھی لگام
کیوں کچھ مزا بھی نوک کے پایا دلیر کو
منہ زوریاں دکھا کوئی سکتا ہے شیر کو

تو کیا فرس تھا کیا ترا او گردِ خیرہ سر — یہ وہ ہزبر ہے کہ الٹ دے جو دشت و در
کیوں سامنے سے ہٹ نہیں جاتا زبون سر — جویا تری ہے خوں میں وہ ڈوبی ہوئی نظر
چھپ جا کہیں بچا کے نگاہِ دلیر کو
پہنچے سے صید جھپٹ گیا غصہ ہے شیر کو

اللہ ری نہیب جگر بندِ بوتراب — میداں سے دور ہٹ گئے سب خانماں خراب
عباس نامدار کی جانب چلے جناب — بولے پہنچ کے جانے دو بھائی بس اب عتاب
ڈنکا تمھاری فتح کا ہے ہر مقام میں
یہ فوج کیا ہے تیغ کو رکھ لو نیام میں

کیوں چابتے ہو غیظ سے ہونٹھوں کو بار بار — اب کس پہ خشم بھاگ گئے سب ستم شعار
وہ نہر پُر فضا ہے، یہ صحرا ہے پُر بہار — دیکھو تو ہر جگہ یہ تمھارا ہے اختیار
باقی نہیں ہے دخل کسی روسیاہ کا
تو چل کے اہتمام کرو خیمہ گاہ کا

بیکس ہیں سمجھ کے چڑھ آئے تھے اہل شر سمجھے نہ تھے کہ ساتھ ہیں عباس نامور
کہتے ہوئے یہ آئے جو حضرت قریب تر بس سر جھکا کے رہ گیا حیدر کا شیر نر
غصہ ہوا فرو کہ اثر تھا کلام میں
ہاتوں میں لیکے تیغ بھی رکھدی نیام میں

دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ با وفا خادم ہوں جاں نثار ہوں میں یا شہ ہدا
اب کیا لبِ فرات جو خیمہ ہوا بپا تلوار چل کے نہر جو ملتی تو لطف تھا
بھاگی ہوئی سپہ میں غل اٹھتا دہائی کا
پھر ان کو حوصلہ تو نہ پڑتا لڑائی کا

ہوتا اگر نہ پاس شہنشاہ نیک ذات کہتے یہ کیا منہ یہ کہ لیں گے ہم فرات
کیا ان کی ہست و بود تھی کیا انکی کائنات پھرنا سر دلکے پاٹ کے سرچشمۂ حیات
یوں ملتی جائے امن کسی بد صفات کو
کچھ بس نہیں اب آکے وہ لیں فرات کو

یہ کہہ کے آبدیدہ ہوا وہ فلک حشم رونے لگے قلق سے شہنشاہ با کرم
فرمایا پیار کرکے برادر نہ کھاؤ غم آتا ہے وہ بھی وقت نہ روکیں گے تم کو ہم
کیوں آج اتنا جبر تمھیں ناگوار ہے
بھیا اسی میں مصلحت کردگار ہے

واقف ہوں میں جو کچھ شدنی ہے کہ ہوں امام دیکھو وہ جلتی ریت ہے ہونگے یہاں خیام
لشکر یہ کیا ہے ہوگا وہ فوجوں کا اژدحام چھپ جائیگی یہ نہر یہ صحرا یہ بن تمام
کانپے گا دشت بار سپاہِ کثیر سے
گردوں ہلے گا غلغلۂ دار و گیر سے

وہ رن وہ گرد ناموروں کا غضب ہجوم آگے صفوں کے ہو نگے دلیران شام و روم
میداں میں امتحان شجاعت کی ہو گی دھوم اس دم بڑھو گے یوں کہ ہلے گی یہ مرزبوم
غل ہو گا دیکھ کر علم سبز فام کو
بیٹا بلند کرتا ہے بابا کے نام کو

کوفی و اصفہانی و شامی و خیبری سب ہونگے یک زباں کہ یہ ہے زور حیدری
ہر ضرب پر پڑیگی دلوں میں وہ تھر تھری جرأت کو مان جائیں گے عالم کے سب جری
تنہا بھگا کے سب سپہ بد صفات کو
دو بار چھین لو گے تم ان سے فرات کو

ان معرکوں میں جنگ سے بہتر ہی یہ جدال لڑنے کی وہ جگہ ہے کہ یہ میرے نونہال
قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا علی کا لال آقا غلام صدقے ہو اب کچھ نہیں ملال
پائی مراد کیوں نہ خوشی آشکار ہو
مژدہ ملا کہ جان بھی جس پر نثار ہو

غازیوں کا خیمہ میں آنا

سنکر یہ سب کو دے کے تسلی جدا جدا بھائی کو ساتھ لے کے پھرے شاہ کربلا
دونوں طرف تھے یاور و انصار و اقربا ڈیوڑھی پہ آکے خیمۂ اقدس ہوا بپا
پردہ ہوا حسین کے خود اہتمام میں
ناقوں سے بی بیاں اتر آئیں خیام میں

داخل ہوئے حرم میں خدیو فلک پناہ　　ہمراہ آئے سارے عزیزان عرش جاہ
غم سے جو دل بھرے تھے تو سب اہلبیت شاہ　　منہ وارثوں کے دیکھ کے روئے بہ اشک و آہ
تڑپا رہی تھی قلب کو ایذا جدائی کی
زینب نے سر لگا دیا چھاتی سے بھائی کی

اکبر کے گرد پھرنے لگی بانوئے حزیں　　زینب کے لاڈلوں کی بھی جھک کے بلائیں لیں
قاسم کے پیار کرنے کو ماں آگئی قریں　　مسلم کے بھی یتیموں کے چومے رخ و جبیں
رو کر چلے کے پاس سے کبرا جو ہٹ گئی
دامن سے بڑھ کے بالی سکینہ لپٹ گئی

سجدے میں کبریا کے جھکی کوئی دل کباب　　کرنے لگی دعا کوئی غمگیں با اضطراب
صدقہ اتارنے کوئی پہنچی کہیں شتاب　　اسپند لائی کوئی کسی جا رہی نہ تاب
رو کر کسی نے شکر کیا کارساز کا
ساماں کسی طرف ہوا نذر و نیاز کا

دیکھا جو اضطراب تو بولے شہ زمن　　ان مضطروں پہ رحم کر اے رب ذو المنن
زینب کئی ہزار تھے واں جمع تیغ زن　　جاتا نہ میں تو تیر پلٹتے نہ اے بہن
خود ہٹ گئے وہ کچھ انھیں غصے میں جان کے
ورنہ یہ منچلے تھے بھلا کس کی مان کے

ہوتا خدانخواستہ زخمی کوئی اگر　　مرجاتیں سب یہ غم دیاں پیٹ پیٹ سر
شکر اس کا ہے کہ ہو گیا خیر آج رفع شر　　روتا ہوں کر کے حالت انجام پر نظر
بیکس ہوں منہ نہ اشکوں سے دھوؤں تو کیا کروں
بولو تمھیں بہن میں نہ روؤں تو کیا کروں

گر یہ کہوں کہ بھیج دوں سب کو سوئے وطن
واں بھی ہے ان کا کون سوائے غم و محن
اندیشے لاکھ طرح کے آتے ہیں اے بہن
وہ وقت ہے کہ رحم کرے ربِ ذوالمنن
کھل جائے گا کریں گے جو کچھ دلفگار سے
دنیا پھری ہوئی ہے غریب الدیار سے

مظلوم ہوگا مجھسا بھی کوئی جہاں میں کم
لاکھ آفتیں وہیں ہیں رکھو جس جگہ قدم
یہ آج کا تو کچھ بھی نہ تھا صدمہ و الم
دسویں کو دیکھنا کہ جو آئینگے غم پہ غم
گھر خاک میں ملے گا علی و بتول کا
ہوگا وہ دن تباہی آلِ رسول کا

اس روز غم سے بحر و جبل تھرتھرائیں گے
سب وحش و طیر خاک سروں پر اڑائیں گے
نالے جن و ملک کے کلیجے دکھائیں گے
سکانِ آسمان و زمیں کو غش آئیں گے
کانپے گا عرش چرخ، بریں خون روئے گا
غل بر و بحر میں مرے ماتم کا ہوئے گا

بولی یہ منہ کو پیٹ کے زینب بصد بکا
اب تابِ ضبط کی نہیں دل کو یہ کیا کہا
ان یاس کے بیانوں پہ ماں جائی ہو فدا
کیوں مر گئی نہ سنے کے بہن آپ کی بلا
ساماں کچھ اور پھر گئے آنکھوں کے سامنے
ہے ہے یہ کس غضب کی خبر دی امام نے

اس دفع شر کو آج کی سمجھی تھی میں ظفر
باقی فساد ہے ابھی اسکی نہ تھی خبر
وابستہ آپ ہی کے ہے دم سے تمام گھر
اب آس ٹوٹی جاتی ہے یا شاہِ بحر و بر
نازک ہیں دل یتیم ہیں ماتم میں باپ کے
ان کی تو زندگی ہے سہارے پہ آپ کے

یہ کہہ کے پیٹ نے لگی سر بنت مرتضیٰ　　فریادِ اہلبیت سے محشر ہوا بپا
غل پڑ گیا کہ وا علیا وا محمدا　　بچے بھی سہم سہم کے کرنے لگا بکا
روئی سکینہ جان جو ایک حال زار سے
عباس نے اٹھا لیا گودی میں پیار سے

فرمایا پیار کر کے کہ تم کیوں ہو بیقرار　　بچوں کو کیا اگر کوئی گھر میں ہوا شکیار
کھیلو ادھر نہ جاؤ ادھر کو چچا نثار　　تم تو ہماری بیٹی ہو روؤ نہ زینہار
کہنے لگی پھر آپ کہیں تو نہ جائیں گے
فرمایا پیاسی ہوگی تو پانی لے آئیں گے

شانِ خیمہ حسین اور چھٹی محرم تک کی کیفیت

مقتل میں جب پہنچ گئے شبیر نیک نام　　ریتی پہ ہٹ کے نہر سے برپا ہوئے خیام
یوں اترے ناصرانِ خدیو ذوالاحترام　　ہالہ تھا گرد پیچ کا خیمہ مہ تمام
شمسے کی ضو نے بڑھ کے سپہر خراب پر
سونا چڑھا دیا کلس آفتاب پر

خیمہ وہ سبز گنبد اخضر کا ہے جواب　　سمجھو نہ سائباں اسے رحمت کا ہے حجاب
گیسوئے حورِ خلد بریں ہے ہر اک طناب　　جھالر وہ جس سے ماند ہو منقش آفتاب
پھیلی ہوئی ضیا ہے تمام ارضِ پاک پر
قدرت خدا کی عرش اتر آیا ہے خاک پر

اُتری کنارِ نہر ادھر سب سپاہ شام — زرد و کبود و سُرخ بپا ہو گئے خیام
فوج اور آ گئی تو ہوا اور ازدحام — صحرا سیاہ نشانوں سے کالا ہوا تمام
آ پہنچا ابن سعد جو کوفے کی راہ سے
کثرت سپہ کی بڑھ گئی حدِّ نگاہ سے

یاں تک تو سب دوسری تاریخ کا تھا حال — پوچھو چھٹی تلک کا نہ احوالِ غم مآل
ہر روز اک نئی تھی مصیبت نیا ملال — آخر گھرا سپاہ میں خیر النسا کا لال
روداد اب سنو شبِ ہفتم کے حال کی
یہ دوسری جدال ہے حیدر کے لال کی

جدالِ شبِ ہفتم

عنوان

اے تیغ طبع ہاں ابھی اور آبدار ہو　　برہم زنِ دو معرکۂ گیر و دار ہو
سرگرم سر فشانیٔ ارباب نار ہو　　میداں یہ دوسرا ہے غضب ذوالفقار ہو
لڑتے ہیں مرتضیٰ یہ عیاں سب جہاں پہ ہو
لاسیف ولافتیٰ کی پکار آسماں پہ ہو

تھی وہ جدا مصاف اب ہے وغا جدا　　وہ جا جدا تھی رد و بدل کی یہ جا جدا
وہ ماجرا جدا تھا یہ ہے ماجرا جدا　　کھینچا ہے تیغ تیز کا نقشہ جدا جدا
اُس جنگ سے بڑھی ہوئی کچھ یہ جدال ہے
کھنچنے کا وہ بیاں تھا یہ چلنے کا حال ہے

دونوں رہیں گے معرکے عالم میں یادگار　　اس دن کی گیر و دار اور اس شب کی کارزار
کیا دور ہے کہ اب جو چلے تیغ آبدار　　تاباں ہو تیرگی میں سوا برقِ شعلہ بار
دہشت سے یوں فرقت ہر فرق دشمن کھلے
رہ رہ کے جب چمک گئی تو چھپ چھپ کے رن کھلے

مشتاق سب ہیں، دل میں بڑھی ہے امنگ اور — یہ اور معرکہ ہے، یہ حالاتِ جنگ اور
اب مرثیہ ہی اور ہے، پڑھنے کا ڈھنگ اور — تب لطف ہے زخموں پہ جب آجائیں رنگ اور
خامہ جدال لکھتا ہے خوں ریز رات کی
شنجرف میں ملا دو سیاہی دوات کی

شبخوں کے لئے فوج یزید کا بڑھنا

شبخوں کے لوگ گھوڑوں کو دوڑائے آتے ہیں — خفاشِ تیرہ روز ادھر چھائے جاتے ہیں
اُس دن جو بھاگ نکلے تھے جھنجھلائے آتے ہیں — غصے میں سب وہ کف لبوں پہ لائے آتے ہیں
کیا ڈر کہ باخبر ہیں اسد فوج شاہ کے
دیکھو تو کیسے چھٹتے ہیں بادل سیاہ کے

شیرِ خدا کے شیر ہیں عباسِ نامدار — لاکھوں میں اک دلیر ہیں عباسِ نامدار
کیوں گرتے آپ دیر ہیں عباسِ نامدار — بڑھے کہ سب یہ زیر ہیں عباسِ نامدار
بھاگیں تو بھاگتے نہ اندھیرے میں بن پڑے
ہاں لیلۃ الہریر سے بڑھ کر یہ رن پڑے

وہ وقت یاں تھا دن سے جو پانی ہوا تھا بند — اک شور العطش کا صغیروں میں تھا بلند
اورادِ شب کو پڑھتے تھے سلطانِ ارجمند — جلد آئے سامنے سے حبیبِ وفا پسند
کی عرض بڑھ کے عید جو بڑھتے آتے ہیں
کیا حکم ہے حضور عدو بڑھتے آتے ہیں

تسلیم رکھ کے آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ
تشویش کا محل نہیں کچھ دھیان میں نہ لاؤ
اچھا وہ بڑھتے آتے ہیں عباس کو بلاؤ
دیکھو تو کیا مشیت باری ہے غم نہ کھاؤ
حافظ خدا ہے کیا ہیں وہ مرتد جفا پرست
دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

دریا سے چل کے ہم نہ اٹھا لاتے گر خیام
واں تھی مجال بھی کہ اتر سکتے اہل شام
دیدیں ہم ان کو نہر کہ جاری ہو فیض عام
پانی بھی وہ نہ دیں ہے مروت اسی کا نام
محسن کشی بھری ہے ہر اک طبع زشت میں
بے شرم ہیں حیا نہیں ان کی سرشت میں

اُس دن نہ اپنے شیر کو ہم ٹال لاتے گر
زندہ بھی چھوڑتے انھیں عباس نامور
سمجھا کے کس طرح سے کیا تھا وہ دفع شر
بدلہ اسی کا ہے کہ بڑھے ہیں چڑھ ادھر
کیوں دل ملول رکھ کے وہ عالی مقام ہو
لڑ لینے دو بس اب کہ یہ جھگڑا تمام ہو

کیا ڈر ہے تیغ زن ہیں کئی ناوک فگن لعیں
آتا ہے وقت سرزنش دشمنان دیں
کھائے تو کوئی چوٹ وہ ضرغام خشمگیں
سن لیجیو الٹ دیا جھنجھلا کے دشت کیں
مانے گا روند کر بھی نہ لاشوں کے ڈھیر کو
پھر تب رکے گا جب ہمیں روکیں گے شیر کو

یاں ہے یہ ذکر واں وہ علمدار ذی حشم
لو ہے میں غرق مثل علی سر سے تا قدم
کاندھے پہ ڈھال ہاتھ میں شمشیر برق دم
پھرتے ہیں گرد خیمۂ ناموس محترم
غیر آنہ جائے کوئی یہ ہر سو تلاش ہے
چیتے ہوئے ہیں نعرۂ ہشیار باش ہے

آجاتے ہیں قریب طلایہ کے لوگ اگر — خود بڑھ کے ٹوکتے ہیں کہ "کون آتا ہے ادھر"
کہتے ہیں وہ کہ "ہم ہیں غلامان باخبر — کیا جان اور کی ہے کہ آجائے بے خطر
بے اذن بڑھ کے پاؤں لرزتے ہیں دور سے
فوجوں کے دل دہلتے ہیں نام حضور سے"

پھرتے ہیں واں سے پھر تو کبھی کھا کے پیچ و تاب — کرتے ہیں ہاتھ اٹھا کے نجف کی طرف خطاب
بابا مری مدد کے لئے آیئے شتاب — سب تشنہ لب ہے آلِ رسول فلک جناب
کس طرح لڑ کے لے لوں فرات اہل شام سے
دلوایئے غلام کو رخصت امام سے

آئے حبیب لیکے غازی کو شہ کے پاس — بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ حق شناس
تم نے سنا بڑھی ہے ادھر فوج بے قیاس — شبخوں کا قصد رکھتے ہیں اعدائے بد اساس
غل ہے خیام بیکس و تنہا کو چھین لو
اب ہم یہ تم سے کہتے ہیں دریا کو چھین لو

جب تک امید صلح تھی جھیلے بہت ستم — لے آئے خود اٹھا کے یہاں خیمہ حرم
دریا بھی اس لحاظ سے چھوڑ آئے آج ہم — کیا ہوگی ساری نہر بہتر نفر ہیں ہم ہیں کم
بدلہ اسی کا ہے یہ بدی نیک بات پر
سقہ بھی کوئی جا نہیں سکتا فرات پر

اس دن کی زک اٹھائے ہیں یہ بانی فساد — آج اب لڑیں تو بھاگنے پائیں نہ بدنہاد
کثرت پہ اپنی بھولی ہے فوج ابن زیاد — وہ معرکہ پڑے کہ رہے کچھ دنوں تو یاد
اب کون تم سا عبد خدا کے ولی کا ہے
جانیں تو کوئی شیر بھی گھر میں علی کے ہے

موقعہ وہ اور تھا ہمیں روکا تھا ہم نے جب　　قبل از وقوعِ جرم مناسب سزا تھی کب
ورنہ ہم اور دیکھتے یہ صدمہ و تعب　　پانی بھی بند ہو گیا بچوں پہ ہے غضب
اے ثانیٔ علی تری ہمت کا وقت ہے
وہ وقت صبر کا تھا یہ جرأت کا وقت ہے

لڑ لو کہ اب سپاہ میں نامی جواں ہیں جمع　　عالم کے پُردلان و تہور نشاں ہیں جمع
شہرہ ہے جن کے زور کا وہ پہلواں ہیں جمع　　دعوے ہیں جرأتوں کے پئے امتحاں ہیں جمع
ارماں ہمیں سے سب کو ہے تیغ آزمائی کا
یہ جنگ فتح ہو تو مزا ہے لڑائی کا

سب اپنے اپنے نام کے جویاں ہیں بد صفات　　کچھ وہ نہ اٹھ رہے گی ہے جو جس کی کائنات
یہ گھر شجاعتوں سے ہے مشہورِ شش جہات　　اللہ مرتضےٰ کے گھرانے کی رکھ لے بات
لائیں کہاں سے آج اسدِ کردگار کو
ہوتے نہ تم تو کھینچتے ہم ذوالفقار کو

سننا تھا یہ کہ سرخ ہوا روئے پر عتاب　　آلودۂ شفق نظر آیا اک آفتاب
دیکھا جلال میں طرف تیغِ برق تاب　　کی عرض کچھ حضور نہ فرمائیں اضطراب
یہ تو مری مراد ہے کام آپ کا نہیں
لشکر الٹ نہ دوں تو غلام آپ کا نہیں

فوجیں یہ کیا جو بیچ میں حائل ہوں آسماں　　سب مل کے روکنے کو پہاڑ آئیں درمیاں
کھنچ جائے سامنے سپر روئیں پئے اماں　　رستے میں تو حصار ہوں لاکھ آتشیں مکاں
یوں سب کو توڑ دوں کہ ہو غل شش جہات میں
دوڑا کے رخش ڈال دوں نہرِ فرات میں

نامی ہیں گر تو کیا وہ گرامی ہیں گر تو کیا نازل ہوا ہے شان میں بابا کی لا فتیٰ
میداں کا مرد اور بھی ہے کوئی دوسرا بالا رہیگی بات اسی گھر کی دمِ وغا
نصرت شریک حال بہر حال چاہیے
کچھ غم نہیں حضور کا اقبال چاہیے

کب تھی امید حکمِ وغا دیں گے مجھ کو شاہ بیشک یہ سب ہوا کرمِ ضیغمِ الٰہ
دن بھر انھیں کو یاد کیا ہے بہ اشک و آہ آساں ہوئی عجب مری مشکل خدا گواہ
اب کیا بساط ہے صفِ افواجِ شام کی
تائید ہے خدا کی، مدد ہے امام کی

شبخوں کا قصد رکھتے ہیں آئیں وہ پُر عناد پہلے انھیں کو دیکھ لوں مٹ جائے سب فساد
کانپے یہ کہہ کے غیظ میں جوش آگیا زیاد بوسے گلے لگا کے شہنشاہ خوش نہاد
میں تم سے مطمئن ہوں عبث غم ہے شاد ہو
جاؤ ظفر نصیب رہے بامراد ہو

میدانِ جنگ کی تیاری

بوسے دئے قدم پہ یہ سن کر بہ افتخار مس کرلی ذوالفقار سے شمشیر آبدار
جلدی فرس منگا کے وہ غازی ہوا سوار تیغیں پکڑ کے ساتھ چلے شہ کے جاں نثار
چھوٹے بڑے تھے جتنے دلیر آگے بڑھ گئے
بڑھنے نہ پائے تھے کہ یہ شیر آگے بڑھ گئے

بولے ہر اک کو روک کے عباسِ ذی حشم — تم سب رہو حضورِ شہنشاہِ باکرم
واجب ہے یاں محافظتِ خیمۂ حرم — یہ اور معرکہ ہے اکیلے لڑیں گے ہم
دعوے ہیں ان کو وقتِ جرأت نمائی کا
سب مل کے گر لڑے تو مزا کیا لڑائی کا

ہاں نعرہ ہائے فوج کا جب غلغلہ ہو بند — جھنکار ضربتوں کی بھی سب جا بجا ہو بند
دہشت سے تیغ تیز کی چلنی ہوا ہو بند — اک غل ہوا لفرار کا شور و غا ہو بند
رکیو نہ دکھ عطش کے ہیں ہر نیک ذات پر
سقوں کو جلد لائیو نہر فرات پر

یہ کہہ کے چاہتے تھے اٹھا دیں ادھر سمند — کی بڑھ کے خادماتِ محل نے صدا بلند
جلد آئے حضور مراتب بڑھیں دو چند — مضطر ہیں اہلبیتِ شہنشاہِ ارجمند
صدمہ ہے خواہرِ شہِ والا نژاد کو
کہتی ہیں مجھ سے مل کے سدھاریں جہاد کو

آئے یہ سن کے جانبِ عصمت سرائے شاہ — ٹھہرے مگر سمند پہ بیرونِ بارگاہ
زہرہ کی بیٹیاں یہ پکاریں بہ اشک و آہ — بھیا حرم میں آؤ کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
بہنیں نثار کون سے تھے اہتمام میں
کیا تھا کہ صبح سے نہیں آئے خیام میں

پانی سحر سے بند ہے اے ابن بوتراب — ہے ہے کسے دکھائیں صغیروں کا اضطراب
تم لو خبر نہ آ کے یہ کیسا ہے انقلاب — تسکیں بہت ضرور تھی ممکن نہ تھا جواب
ان آفتوں میں ظلم نصیبوں کا کون ہے
چھوڑا تمھیں نے جب تو غریبوں کا کون ہے

لو اب سکینہ جان کو آ کر گلے لگاؤ اصغر کا حال غیر ہے بانو کے پاس جاؤ
بھاوج ہماری سب سے ہے محجوب اُسے بلاؤ مل کر بھی سبھوں سے جاؤ جو پانی ملے تو لاؤ
اپنوں کی طرح گو کہ طلبگارِ خیر ہیں
دیکھو شکستہ دل نہ کہیں ہوں جو غیر ہیں
رونے یہ سن کے تر ہوا اشکوں سے رو تمام کی عرض یہ بجا ہے یہ غیرت کا ہے مقام
پانی کے اہتمام کا عہدہ ہو پائے نام میں مر نہ جاؤں آلِ پیمبر ہو تشنہ کام
نادم ہوں اہلبیت میں جایا نہ جائیگا
یہ منہ کسی کو مجھ سے دکھایا نہ جائیگا
دیکھوں جو گھر میں غم کا قرینہ تو کیا کروں بے آب ڈوبتا ہو سفینہ تو کیا کروں
روئے جو بنت شاہ مدینہ تو کیا کروں سوکھی زباں دکھائے سکینہ تو کیا کروں
پایا ہے حکم اب شہ والاصفات سے
بس گھر میں لے کے آؤنگا پانی فرات سے
آتا میں کیا کہ صبح سے کھائی ہے یہ قسم گھر میں نہ جاؤنگا جو پانی ہوا بہم
اس دم بڑھے ہیں وہ پئے تاراجئ حرم مجھ کو بھی اب حلف ہے جو در پہ رکھوں قدم
بس فتح یہ بھی ہے کہیں ممکن قرار لوں
اُتروں فرس سے تب جب انھیں مار مار لوں
روئیں قلق پہ بھائی کی شہزادیاں ادھر گھوڑا اُدھر جری نے اٹھایا بہ کرّوفر
جلد ان کو بڑھ کے دی کسی جاسوس نے خبر ہشیار ہو کہ آ گئے عباسِ نامور
دیکھو جو سر عزیز ہیں ٹل جاؤ راہ سے
چھپ جاؤ بھاگ جاؤ نکل جاؤ راہ سے

آنکھ ہے اس جلال میں وہ آسمان جناب ۔ جل جائے دن کو آنکھ ملائے جو آفتاب
کیا جانے کہ فوج کو فرزند بوتراب ۔ کیونکر ملا کے خاک میں مٹی کرے خراب
ٹوکا ہے جب سے گھاٹ پہ تم نے دلیر کو
اُس دن سے آجتک وہی غصہ ہے شیر کو

کیا جانے کس اِرادے پہ ہے کھا چکا قسم ۔ رخصت کو بھی گیا نہیں گھر میں وہ ذی حشم
پیاری بھتیجی روحِ رواں سے جو تھی نہ کم ۔ پروانہ کی تڑپتی ہے کیوں وہ اسیرِ غم
روکا بھی خواہروں نے شہِ ارجمند کی
پر کچھ سنا نہ باگ اُٹھا دی سمند کی

نام اس جری کا سنتے ہی کانپے وہ رُوسیاہ ۔ ان رکاب غول سے بھاگا سوئے سپاہ
دونوں نے یہ کیا کہ سمٹ کر میان راہ ۔ تلواریں کھینچیں آڑ میں ڈھالوں کی لی پناہ
حلقہ بنے وہ چھا گئی ہیبت دلیر کی
دہشت ہو جیسے گلۂ میشاں کو شیر کی

حضرت عباس کا میدان میں پہنچکر عجیب و غریب طنزیہ رجز

پہنچا دلیر کہکے یہ نعرہ بصد غضب ۔ ہشیار ہو ہم آئے سنبھل جاؤ رہے سب
اس دن کے مہربان ہو تم تو ڈرو نہ اب ۔ ہم تھے تلاش ہی میں کہیں دیکھیں ملیں وہ کب
تھا شاید انتظار اسی رات کے لئے
آئے ہو سب چھپ کے ملاقات کے لئے

ہے کس طرف وہ دوست ہمارا بن رکاب　　پوچھیں مزاج پہلے اُسی کا نہیں ہے تاب
ڈھالیں ہٹاؤ منہ کے دکھانے میں کیا حجاب　　آنکھیں ملا کے دو ہمیں کچھ بات کا جواب

پھر خواستگار بحث لبِ آبجو کے ہیں
مشتاق ہم پھر آج اُسی گفتگو کے ہیں

ہاں کیا کہا تھا نہر پہ برپا نہ ہوں خیام　　دریا پہ کیوں اترنے کے لائق نہ تھے امام
بولو نہیں سروں پہ ہے شمشیر انتقام　　اب صفحۂ جہاں پہ رکھوں گا تمھارا نام؟

لو تیغ و تیر یا کوئی حربہ سنبھال لو
یہ وقت آخری ہے تمنا نکال لو

عالم تمھیں بچائے جو از غرب تا بہ شرق　　اُڑ جاؤ آسماں پہ کہ زیرِ زمیں ہو غرق
کہتے ہیں جو نہ اس میں ہوا ہے نہ ہوگا فرق　　دیکھو یہ تیغ ڈھونڈھ کے تم پر گریگی برق

جویا ہے جو اجل کے وہ سر پر ہے گم نہیں
بس یہ سمجھ لو خوب کہ دنیا ہے تم نہیں

اچھا ہماری تیغ سے مرنے میں گر ہے ڈر　　خود گردنوں پہ پھیر لو تلواریں کھینچ کر
یہ بھی نہ ہو تو قتل ہو لڑ بھڑ کے ہمدگر　　بے اُسکے جا بھی سکتا ہے بچکر کوئی نفر

ہم کہہ رہے ہیں تم نہیں بڑھتے مقام سے
کیا منتظر ہو کیوں ہمیں کھینچیں نیام سے

ہم یہ تو مانتے نہیں کانپو کہ تھرتھراؤ　　شبخوں تو چھپ کے آئے تھے خیمے بھی لٹواؤ
دیکھو دہائیاں شہِ عالم کو پھر بلاؤ　　گدی سے کھینچ لوں یہ زباں جو غل مچاؤ

دیکھے پکار کر جسے عادت ہو شور کی
اب وہ سزا تمھاری سزا ہے جو چور کی

جنگِ شبخون

برچھی تھے یہ سخن جو کلیجے ہوئے فگار | کڑکیں کماکشوں کی کمانیں کئی ہزار
فرمایا باگ اٹھا کے خبردار ہوشیار | کیا جلد اڑا سمٹ کے وہ شبدیز بیقرار

ایسے چھلاوے رکھتے ہیں کب اوج پیچ میں
اترا سروں کو پھاند کے حلقے کے بیچ میں

وہ سمجھے ہم میں گھر گیا اب ضیغم وغا | جلدی میں تیر گرد سے سب نے کئے رہا
ناوک نہ پہنچے تھے کہ اڑا پھر وہ بادپا | حلقہ تھا خود ہدف ہوئے قربانی جفا

کچھ سنبھلے کتنے عربدہ جو لوٹنے لگے
تیروں سے اپنے آپ عدو لوٹنے لگے

اوپر سے اور پڑنے لگی اک بلا کی ضرب | وہ ضرب کہہ سکوں جسے دستِ خدا کی ضرب
نعرہ تھا او یہ ضرب ہے خیبر کشا کی ضرب | روکے تو ہاں سپر کوئی تیغِ قضا کی ضرب

ایک ایک چار چار ہیں منہ مار دھاڑ میں
چہروں کو پھر چھپا لئے ڈھالوں کی آڑ میں

دم بھر میں دیکھے لیتے ہیں تم سب نے مال کیا | بھاگے نکل کے غول سے کوئی مجال کیا
اس جنگ کو بھی سمجھے ہو پہلی جدال کیا | دیکھو تو اب ہے حکم شہِ خوشخصال کیا

دریا ملے گا خون کا ندی کے پاٹ سے
تب جائیں اب کہو کہ سرکنا و گھاٹ سے

اس دن بھی تم بڑھ آئے تھے فوجِ ضلال سے
نزدیک تیغ تیغ سے تھی ڈھال ڈھال سے
کیا بس تھا حکم بادشہ خوش خصال سے
خوں تن میں جوش کھاتا تھا ضبط ملال سے
پھر تو کرو وہ سرکشیاں پاؤں گاڑ کے
دفنا دوں دشتِ ظلم کے طبقے کو پھاڑ کے

گھوڑا یہ تب کے گا زمیں پہلے چل تو لے
پھرے بگڑ کے جنگ کا نقشہ بدل تو لے
رو کی ہے ہر فوج جہنم میں چل تو لے
دل کا بخار تیغ کے منہ سے نکل تو لے
ممکن نہیں کہ ہاتھ سے میرے اماں ملے
پھونکوں وہاں بھی کہ نہ پانی جہاں ملے

یہ کہہ کے ڈانٹتے تھے کہ ہلتی تھی رزم گاہ
جا پڑتے تھے جدھر کو الٹ جاتی تھی سپاہ
اوپر تلے تھے ڈھال کی ادھڑ سے روسیاہ
قبضے کی برچکیں وہ کہ اللہ کی پناہ
کہتے تھے توڑ کر دہن اہلِ شام کو
اس منہ سے پھر کہو کہ اٹھا لو خیام کو

اللہ رے اس ہزبر کی بیتابیٔ جدال
الٹی یہ صف پرا وہ کیا بڑھ کے پائمال
تلواریں سب کٹی ہوئی دو دو ہر ایک ڈھال
بجلی سی دم نہ لیتی تھی شمشیر بے مثال
مہلت نہ تھی اجل کو کہ چومے جو جھک کے ہاتھ
غصہ بھرا اس پہ یہ تھا کہ چلتا تھا رک کے ہاتھ

ڈانٹا فرس کو اور انھیں پائمال کر
جھنجھلا کے بولے تیغ سے جلد انفصال کر
جھگڑا مٹا دے ختم جدال و قتال کر
بھاگے نہ بچ کے کوئی حرامی حلال کر
ہاں سر سے پہلے کاٹ دے پاؤں کو جھک کے تو
سینے میں دم رکا ہے کہ چلتی ہے رک کے تو

جلدی تو قتل کی ہے نہ جھنجھلائیں کیا کریں　　رحم ان پہ شہ جو پھر ابھی فرمائیں کیا کریں
بڑھ کر اماں دہی کو چلے آئیں کیا کریں　　دل کے پھپھولے ہم کسے دکھلائیں کیا کریں
ہے مکر طینتوں میں خبر ایں شام کی
کیا ہو جو کر دیں غل کہ دہائی امام کی

سنتے ہی خیر بنگیا رخشِ سبک عناں　　تا ہیں نہ ہیں یہ مار کے دوڑا کہ الاماں
اس عزم پر چمک کے اٹھی تیغِ جانستاں　　سو حصے قوتوں میں بڑھی ضربتِ گراں
ہاتھوں نے قصد کر لیا رن کی صفائی کا
بازو میں زور آ گیا خیبر کشائی کا

غصے میں ایک وار جو سن سے چلا ادھر　　پوچھو نہ کتنے کٹ کے اڑے خود ترں کے سر
پھر اس طرف جو زن سے چلی ضربتِ دگر　　اتنے ہی سر ادھر بھی گرے جا کے دور تر
آگے بھی کی وہ ضرب پھر اک بن الٹ گیا
پھر اک عقب پہ ہاتھ پڑا رن الٹ گیا

نصرت نے دی صدا کہ علی کی وغا ہے یہ　　حملہ نہیں نمونۂ قہرِ خدا ہے یہ
صولت پکاری دبدبۂ مرتضیٰ ہے یہ　　تائیدِ پنجتن مددِ کبریا ہے یہ
بس خاتمہ اب ان کا ہے صفدر کے ہاتھ سے
چوٹیں یہی نکلی تھیں حیدر کے ہاتھ سے

ندھوں میں جسم جسم میں روحِ رواں کٹی　　اب سب نیم جاں ہیں کہ ہر تن میں جاں کٹی
بولے جو کچھ زباں سے دہن میں زباں کٹی　　پوری نہ نکلی منہ سے صدائے فغاں کٹی
کیسی حیات قطع تھا وقتِ ممات بھی
لو چار ٹکڑے ہو گئی کٹ کے رات بھی

کیا کہتی ناریوں سے بھلا بے اماں وہ برق   بجلی سے بھی سوا تھی کہیں جاں ستاں وہ برق
چمکی کبھی یہاں کبھی کوندی وہاں وہ برق   جسموں کو پھونکے دیتی ہے آتش فشاں وہ برق
بھاگیں کہاں کہ امن بجز آسماں نہ تھا
روحیں چلی ہوئی تھیں وہ کالا دھواں نہ تھا

بڑھتے جری یہ کیا وہ سنانوں کو تان کے   لالے پڑے ہوئے تھے اندھیرے میں جان کے
فوج آ پڑی ہے ہم پہ دلوں میں یہ ٹھان کے   ایک ایک سے لڑ رہا ہے حریف اپنا جان کے
ہنستی تھی دیکھ دیکھ کے موت اس لڑائی کو
مارا پدر نے بیٹے کو بھائی نے بھائی کو

اٹھتی تھی جب چمک کے وہ شمشیر شعلہ ور   ہوتی تھی تب تمیز یہ بھائی ہے یہ پسر
بڑھتے تھے کر کے ہائے کا نعرہ جو اہل شر   چھپ جاتی تھی وہ ضَو نہ کچھ آتا تھا پھر نظر
سرے کی تیغ کہتی تھی مجھ سے ذرا ملو
مارا ہے جن کو تم نے وہ بسمل ہیں جا ملو

جانوں پہ ہے بنی ہوئی جرأت دکھائے کون   جب یوں بگڑ گئی ہو لڑائی بنائے کون
دن بھی نہیں ہے رات ہے بڑھ کر بچائے کون   لشکر بہت ہے دور مدد کرنے آئے کون
پہلے سیاہ گرد تھی اس ارجمند کے
کاوے میں اب وہ آپ گھرے ہیں سمند کے

بھاگا نکل کے غول سے گر کوئی بد سگال   بے سر ہوا وہ یا کیا گھوڑے نے پائمال
سب کٹ رہی ہے گرد سے فوج زبوں خصال   حلقہ بھی ہوتا جاتا ہے چھوٹا یہ اب ہے حال
جو رہ گیا ہے رخش فتح سے کس وقت جا ملے
کوشش یہ ہے کہ دائرہ نقطے سے آ ملے

لو مر چکے وہ پیچ میں اب جو تھے آٹھ دس — زندہ رہا نہ کوئی چپ و راست پیش و پس
چمکار کے سمند کو روکا کہا کہ بس — شمشیر سر فشاں بھی رکی جب تھما فرس
تھما نہ وہ تو رک نہیں سکتی ہے برق بھی
بادل رواں ہو جب تو چمکتی ہے برق بھی

فتح

مضطر تھے اس طرف شہ عالم کے جاں نثار — سنتے تھے تیرگی میں وہ غوغائے گیر و دار
آوازیں ضربِ تیغ کی آتی تھیں بار بار — یہ عزم تھا کہ چلو اور ہو واں رنگِ کارزار
سب دل میں ڈھونڈتے تھیں سپہ نا بکار کے
کٹ جائیں کاٹ کر انھیں مر جائیں مار کے
نعرہ کیا ظفر کا یکایک جو شیر نے — بولے حبیب ابن کے "وہ مارا دلیر نے"
دکھلا دی راہِ مرگ انھیں قسمت کے پھیر نے — دھڑکوں میں دل الٹ دئیے تھے تیغ دلیر نے
تشویش ہو گئی واں شہ عالی مقام کو
چلکر بس اب خوشی کی خبر دو امام کو
فرمایا بڑھ کے شاہ نے ٹھہرو وہیں ہم آئے — جس کا خدا معین ہو کیونکر ظفر نہ پائے
اللہ اس جری کے ارادے کو راس لائے — آفت جب آئے حافظِ عالم یونہی بچائے
ہر صف ابھی ہے غرق بکر ہن ترائی میں
لوہے کی کاٹتی ہیں جلا ریں لڑائی میں

اس معرکے کا لطف ہے یوں تیرگی میں کیا ہاں جلد روشنی کا ہو ساماں ہر ایک جا
سنتے تھے نوجواں جسے دیکھیں وہ اب وغا اس رنگ سے کبھی کبھی لڑتے تھے مرتضیٰ
نوعمر سیکھیں ڈھنگ یہ تیغ آزمائی کا
لڑکے بھی دیکھیں بڑھ کے تماشا لڑائی کا

یلان فوج یزید کی ہرزہ سرائی

واں سنیئے جب سے آئے ہیں شبخوں کے لوگ ادھر اسدم سے ہے تمام مسلح سپاہ شر
نامی وہ اب جو آئے ہیں باندھے ہوئے کمر جرأت سے کچھ وہ بولوں میں یہ باتیں ہیں ہمدگر
جانا بن رکاب کا یوں کیا ضرور تھا
شبخوں کا چھپ کے قصد شجاعت سے دور تھا
بودے تھے سب جواں کبھی دل مطمئن نہ تھا شاید صلاح کار بھی کوئی مسن نہ تھا
اچھا جو خوف بادشہ انس و جن نہ تھا لڑنے کو رات ہی انھیں ملتی تھی دن نہ تھا
وہ کیا لڑیں گے ہمت و عقل انکی پست ہے
یوں فتح ہو تو فتح نہ سمجھو شکست ہے
اس دن جو زک ملی تھی انھیں سب کو تھا ملال بدلہ ہم اس کا ٹوک کے لیتے دم جدال
اب پہنچے ہونگے دیکھئے ہوتا ہے کیا مآل خیمہ تک آنے دینگے وہ سب ہیں علی کے لال
غافل نہ ہو گے گو کہ نہیں کچھ خطر انھیں
واں ہیں امام دیں گے فرشتے خبر انھیں

ہم آئے اسلئے تھے کہ ہو معرکے کی جنگ　　نام آوروں کے خون سے میداں ہو لالہ رنگ
ہیبت سے اُس جری کے ہیں اُڑے اُن کے رنگ　　عباس شیر دل سے لڑائی کی تھی اُمنگ
ہوتا نہ دخل کچھ سپہ بیدریغ کو
لے لیتے اُن سے یا ہمیں رکھدیتے تیغ کو

ابن رکاب اور مغرور سپاہی بھاگ کے آتے ہیں

باتیں یہ کر رہے تھے یہ نخوت وہ بداساس　　ابن رکاب بھاگتا پہنچا بصد ہراس
گھبرا کے پوچھا "خیر تو ہے کیوں ہے بدحواس"　　چلایا "جلد بھاگو بہت آگئے ہیں پاس"
بولے بگڑ کے "کون بہت پاس آگئے"
وہ گر پڑا یہ کہہ کے کہ "عباس آگئے"

اتنے میں اور بھاگتے پہنچے کئی سوار　　آواز دی وہیں سے کہ ہوجاؤ ہوشیار
سب کٹ چکے گئے تھے جو واں بہر کارزار　　دریا کی سمت ہے رخِ عباس نامدار
دیکھے نہ تم کو شیر ادھر آتا ہے گھات میں
گھوڑے چراغ پا نہ ہوں اندھیاری رات میں

دیکھی ہے جب سے تاب ضیا بارِ تیغ کی　　آنکھوں میں برق پھرتی ہے ہر بار تیغ کی
ایسی کبھی سنی نہیں پیکار تیغ کی　　کانوں میں بھر گئی ہے وہ جھنکار تیغ کی
اک شور تھا کہ قہر خدا ہے جدل نہیں
برسوں میں نکلے دل سے یہ ایسی دہل نہیں

بڑھ کر پکارے وہ سے کچھ پیک یوں بہم — لو اب قریب آ گئے عباس ذی حشم
بجلی نہ سمجھو ہاتھ میں شمشیر ہے علم — وہ دیکھو مرکب آتا ہے بڑھتا قدم قدم
ہٹ جاؤ کوئی بڑھ کے نہ ٹوکے دلیر کو
گھوڑوں کے منہ پھرا دو کہ دیکھیں نہ شیر کو

دوسری جنگ کی تیاری

سنتا تھا یہ الٹ گئی دو لاکھ کی سپاہ — بودے تھے جو نکل گئے کو سوں وہ کینہ خواہ؟
بڑھ بڑھ کے یہ پکارے جیالے میان راہ — بھاگو نہ ہم بھی آج ہلا دینگے رزمگاہ
پیکر دیں بڑھ کے جانب دریا اگر چلے
گھوڑا وہ کیا ہوا تو ادھر کی ادھر چلے
یہ کہہ کے چھا گئے رہِ دریا پہ بد گہر — خانوں سے ثانے ملگئے تا نہر سر سے سر
پھر آگے داہنے بائیں جو بڑھ آئی فوج شر — میدان جنگ بیچ میں آنے لگا نظر
صورت یہ تھی چھپی ہوئی سب نے نگاہ تھی
جا اتنی خاکنائے محیط سیاہ تھی
روشن ہوئے جو مشعل و مہتاب سب کے سب — جنگل کو آگ لگ گئی دن ہو گئی وہ شب
پیدا ہوئی سواری حتر فام شیر رب — سنتے یہ غل ہوا کوئی آگے بڑھے نہ اب
یہ وقت نامیوں کی ہے جنگ آزمائی کا
دیکھو تم اپنی جا سے تماشہ لڑائی کا

دریا پہ سب یہ لوگ ہیں مشہور روزگار　　وہ خیر نہ ہے ابنِ ید اللہ نامدار
کس ظفر ہو دیکھئے کیا ہو مآل کار　　دعوے کا معرکہ ہے یہ سا کھے کی کارزار
ان سے ہنر کھلے کوئی یا اس غیور سے
منصف ہیں ہم تو دادِ وغا دینگے دور سے

جنگ نشان

نامی وہ جن کا سامنے تا ہر ہے ہجوم　　سب نعرہ زن ہیں ہلتی ہے ساری وہ مرز بوم
نکلے صفوں سے ان کی کئی افسران شوم　　تھا جن کے ساتھ رایتِ افواجِ شام و روم
پہنچے اڑا اڑا کے سمندوں کو راہ میں
گاڑا علم تھمے وسطِ رزم گاہ میں
آئے ادھر سے حضرتِ عباسِ صف شکن　　بولے ملا کے تیر سے آنکھیں وہ تیغ زن
آجائے گر مزاج میں سن لیجئے اک سخن　　پھر معرکہ ہے آپ ہیں ہم لوگ اور یہ رن
کیا فائدہ کہ مفت میں لشکر کی جان لیں
بس آپ ہم کو آپ کو ہم لوگ مان لیں
یہ سچ کہ آپ پر ہے شجاعت کا اختتام　　جرأت کو ہر دیار میں مانے ہیں خاص و عام
لیکن جہاں میں ہم نے بھی پیدا کیا ہے نام　　جو پہلوان ہے عہد کا اپنے ہے زال و سام
دعوے ہیں آپ ہی سے فقط کارزار کے
مردوں کا نام بڑھتا ہے مردوں کو مار کے

میداں میں بڑھ کے اسلئے گاڑا ہے یہ علم — سب دیکھ لیں کہ لاکھ سے لڑتے ہیں یوں بھی کم
دیں بہرِ جنگ فاصلہ دونوں طرف بہم — پھر آپ اُدھر سے حملہ کناں ہوں اِدھر سے ہم
طول اور کیوں زیادہ ہو جرأت نمائی کو
لے لے علم جو بڑھ کے وہ جیتا لڑائی کو

فرمایا اس جری نے کہ بہتر ہٹو اُدھر — ہم تم سے ہر طرح پہ ہیں آمادہ جنگ پر
یوں ہو مقابلہ کہ ہو سب فوج حملہ ور — ہر طرز سے شکست اُدھر ہے اِدھر ظفر
مٹ جائیگی نمود کے ساتھ آن بان بھی
اب نام ہوگا ہاتھ سے کھویا نشان بھی

دوڑا گئے پلٹ کے وہ گھوڑوں کو ایک بار — آیا اِدھر سپاہ کی حد پہ یہ نامدار
دیکھا فرس پہ آتے ہیں سلطانِ ذی وقار — پیچھے ہیں مرکبوں پہ عزیز و رفیق و یار
غول آگئے خادمانِ امامِ غیور کا
سامانِ روشنی ہے کہ دریا ہے نور کا

آواز دی یہ شہ نے کہ عباس مرحبا — کیا معرکہ وہ جیتے ہو روحی لک الفدا
اچھا جو آن بان کی لیتے ہیں اشقیا — جب تک وہ بڑھ نہ لیں تم اُٹھانا نہ بادپا
کیوں لو فرات ابھی صفِ لشکر کو پھاڑ کے
صفدر وہ ہے بنائے جو اپنی بگاڑ کے

یوں ان کا دل بڑھا کے بڑھے جب حسین ہم — ہر بار سمجھیں شیر سے اب لے لیا علم
گھر گھر کے خود سپاہ مخالف میں دمبدم — حلقے کو کاٹتے ہوئے نکلو بصد حشم
مارو اسی کو ہاتھ اُٹھے جس دلیر کا
کھل جائے یہ کہ فتح پہ قبضہ ہے شیر کا

کہتے ہوئے جو آکے یہ سلطانِ دیں پناہ   دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ عرش جاہ
تعلیمِ فنِّ رزم ہے یہ تو خدا گواہ   خادم بجا وہ لائیگا جو کچھ ہے حکم شاہ

عزت وہی ہے ختمِ امام انام پر
آقا ہیں آپ پرورشیں ہیں غلام پر

میں کیا ہوں جنگ کیا مری یا شاہِ نامدار   صدقہ تھا اس قدم کا جو سرکی ہو کارزار
رُکے گا بھی غلام نہ دو ایک انکے وار   جس طرح سے لڑیں گے لڑیگا جاں نثار

اس گھر کی آن بان بھی جرأت بھی دیکھ لیں
بات آپڑی ہے گر تو شجاعت بھی دیکھ لیں

تو مرکبوں کی لیں وہ عنانیں عدو بڑھے   تیغیں کھنچیں جھکیں سپریں تند خو بڑھے
شاطر اُدھر سے کر کے یہ غل چار سو بڑھے   آگے ہوں جو ہٹیں اسدِ جنگ جو بڑھے

دیکھو صفوں سے معرکہ جنگ آزمائی کا
پیچھے دبو کہ تنگ ہے میداں لڑائی کا

غازی نے بھی ادھر سے اُٹھایا جو راہوار   اُٹھا غریو آمدِ جرارِ نامدار
طے کی تھی کچھ ابھی رہِ میدان کارزار   ناوک خطا شعاروں نے مارے کئی ہزار

قربان اس ہزبر کی اس آن بان کے
نیچا سپر کو کر دیا سینے کو تان کے

سب تیر تو نکل گئے سن سن ادھر اُدھر   پر اک خدنگ پڑ گیا جوشن پہ آن کر
جھنجھلا کے غیظ میں اسے کھینچا جڑے ادھر   آواز دی یہ شہ کو کہ یا شاہ بحر و بر

لایا بجا جو حکم دیا تھا امام نے
دیکھیں حضور تیر یہ کھایا غلام نے

سن کر ہوا یہ حال کہ صابر تھے گو امام
غیظ آ گیا قریب تھا دیں حکمِ قتلِ عام
اللہ رے جلال عزیزانِ نیک نام
دنیا ہر اک نظر میں سیہ ہو گئی تمام
گو چپ تھے دابِ بادشہِ حق نیوش سے
غصے میں لال ہو گئے سب غموں کے جوش سے

پاس آ کے شہ کے اکبرِ مہرو بصد محن
نکلے غضب میں کانپتے ہونٹوں سے یہ سخن
کھایا چچا نے تیر سلامت ہیں تیغ زن
اب دیجیے حکم قتل نہیں یا شہِ زمن
دیکھیں گے ظلم و جبر نہ قوم عذاب کے
ہم جا پڑیں گے سب ابھی گھوڑوں کو داب کے

کہنے کو کچھ تھے سرورِ ذیشاں کہ یک بیک
پیدا ہوا علی کا یہ نعرہ تہہِ فلک
آ پہنچے ہم نہ جائے اِدھر سے کوئی کمک
اس معرکے کو دیکھیں گے انس و جن و ملک
عالم ہے اور ہاتھ میں تیغ دو دم نہیں
افسوس ہے کہ آج کو دنیا میں ہم نہیں

عباس تیر کھا لیا اب بھی ہے انتظار
بڑھ لیں حسین کیا تب اٹھاؤ گے راہوار
منہ کر چکے تھے جانب میدان کارزار
بے فتح مڑ کے بات کی کیوں میرے یادگار
جرأت بڑھا دی جنگ کی اس قوم زشت کو
آج اب تمہیں لڑا کے بھیجوں گا بہشت کو

کوندی بس اتنی دیر میں اک برق ضو فشاں
آنکھیں کھلیں جھپک کے جو سب کی یہ تھا سماں
تابندہ مہر تھا رخِ عباسِ نوجواں
ہم تابِ ذوالفقار تھی شمشیرِ بے اماں
حیدر کی سب تھی شان وہ رعبِ دلیر تھا
گویا خدا کے شیر کے قالب میں شیر تھا

لی باگ حق کے اشہب ضیغم شکار اُڑا   دوڑا کہ رنگِ ابلقِ لیل و نہار اُڑا
پہنچے جو اس علم کے قریں راہوار اُڑا   مثلِ ہوا ئے تند اُدھر بیقرار اُڑا
پہنچے ہی وال تھے شرط وغا جس نشان پہ تھی
جا کر لیا بدی انھیں نیت جہاں پہ تھی

ڈانٹا بس اب بڑھیں نہ قدم ہوشیار رہو   دیکھو ہوا علی کا کرم ہوشیار رہو
سنبھلو کہ اور ہو گئے ہم ہوشیار رہو   بے جنگ لے لیا وہ علم ہوشیار رہو
دعویٰ جو پھر ابھی ہو بڑھو امتحان کو
اب تم ہمیں ہٹا دو تو ہے لو نشان کو

ان سب نے بھی پکڑ لئے حربے جھپٹ کے آئے   کچھ لوگ دہنے بائیں بھی دو سمت ہٹ کے آئے
اسوار کچھ عقب پہ بھی گھوڑے ڈپٹ کے آئے   جب سب طرف سے بندھ گیا حلقہ تو ہٹ کے آئے
آگے بھی تھے جری یہ کہا کس دلیر نے
گھروا دیا خود آپ کو فوجوں میں شیر نے

آپہنچے وہ تو ڈال کے کاوے پہ پا دیا   دو تیغیں دونوں ہاتھوں میں لے لیں یہ دغا
چلنا یہ دیکھو سیفِ دو دستی کا ہے نیا   اک بجلیوں کا بندھ گیا حلقہ میں ہوا
واں پہنچیں کے خدنگ تو کیا اس سپاہ کے
کٹ کٹ کے لاکھ ٹکڑے ہوں تیر نگاہ کے

چلتے ہیں گرز و خنجر و تیغ و تبر کٹے   برچھے ادھر قلم ہوئے ناوک اُدھر کٹے
کٹتا یہ ہے دلوں میں وہ بیداد گر کٹے   اور آگے منچلے جو بڑھ آئے تو سر کٹے
لو اب گزر نہیں کسی نامی دلیر کا
حلقہ بلند ہو گیا لاشوں کے ڈھیر کا

آپ اس طرف اُدھر ہیں وہ، کیونکر وغا کریں
لاشوں کو کھینچتے ہیں کہ کچھ راستا کریں
فکریں ہیں کس طرف کوئی حربہ رہا کریں
عاجز ہیں ایک ایک سے کہتا ہے کیا کریں
سیاف اس طرح کا ہو کوئی محال ہے
لاکھوں سے لڑے ایک ایسا کمال ہے

دیکھا جری نے جب سپر انداختہ ہیں سب
تلواریں دونو روک کے آواز دی یہ تب
کیوں کیا ہوا وہ جنگ کا دعویٰ بڑھو نہ اب
لاکھوں میں گھر کے لڑتے ہیں ہم یوں بفضلِ رب
نرغہ یہ کیا ہے، کیا وہ نگہبان گھاٹ کے
اب بھی جدھر سے چاہیں نکل جائیں کاٹ کے

کیا ہے کہ شہسواروں کی ترکی ہوئی تمام
ناقص ہو کس کمال میں پیدا کیا ہے نام
موجد فنونِ جنگ کے حیدر ہیں لاکلام
یہ فن وہ جانتے ہیں جو بابا کے ہیں غلام
تم کیوں سلاح باندھے ہو بیکار سارے ہیں
جب چاہیں چھین لیں کہ یہ حربے ہمارے ہیں

اس گھر سے منحرف جو ہیں کیا اُنکی ہست و بود
ادنیٰ تھا یہ مجاریہ ضیغمِ وُدود
پایا علم لگائے تو تھے جنگ میں قیود
ذلت نصیب ہو گئی کیسی مٹی نمود
قبضے میں ہاں ہے فتح، ظفر اختیاری ہے
اچھا لڑو وہ اب جو لڑائی تمھاری ہے

یہ سن کے سامنے سمٹ آیا وہ سب ہجوم
دوڑا یہ رخش ادھر سے بڑھی واں سے فوجِ شوم
حملہ ہوا بہم کہ ہلی سب وہ مرز و بوم
غل پڑ گیا مچا دی تماشائیوں نے دھوم
دوڑے یہ کہہ کے ہوتا ہے کیا رنگ دیکھ لیں
لشکر الجھ پڑا تھا کہ یہ جنگ دیکھ لیں

گھوڑا اڑا، ہزبر در آیا سپاہ میں تلوار اٹھی چمک کے صفِ روسیاہ میں
بھاگی جو خوفِ جاں سے اجل رزمگاہ میں بڑھ کر سپر نے لے لیا اپنی پناہ میں
سرکا لرز کے امن، اماں دور ہٹ گئی
تھرا کے پشتِ تیغ سے نصرت لپٹ گئی

قربانِ ضربِ ہاتھ کی گردش سے سر کٹے سب ہر طرف کے نیزہ و تیر و تبر کٹے
ادھر آگئے، شریر یہ سب تا کمر کٹے پلٹی وہ چوٹ، سینہ و قلب و جگر کٹے
لاشے نہ پھڑکے دب کے، جو کٹ کر فرس گرے
ٹکڑوں پہ راکبوں کے الٹ کر فرس گرے

ضرب اور سن کی یہ اڑے سر وہ تن گرے کٹ کر شجر گرے کہ پیلِ صف شکن گرے
اترا سروں پہ اڑ کے فرس اہرمن گرے برچھیت اُدھر الٹ گئے واں تیغ زن گرے
وہ ہر نشانِ فوجِ بد ایماں کا ٹوٹنا
نیزوں کا ٹوٹنا کہ نیستاں کا ٹوٹنا

ہو اُڑ گئے وہ دستِ بریدہ سپر سمیت پھڑکے اُدھر کٹے ہوئے یہ ہاتھ سر سمیت
ٹوٹے وہ چار آئینہ قلب جگر سمیت لڑ کر یہ ٹکڑے ہو گئیں آنکھیں نظر سمیت
پلکیں جھپک کے موت گلوگیر ہو گئی
دیکھا جسے جری نے نظر تیر ہو گئی

جن کے گرے نہیں ابھی پہنچوں سے کٹ کے ہاتھ پہنچوں پہ زخم کھا کے جھٹکے ہیں ہٹ کے ہاتھ
انگلی جدھر سے اٹھ گئی مارا جھپٹ کے ہاتھ غل پڑ گیا عقب پہ تو چھوڑا پلٹ کے ہاتھ
زخموں کی برقِ تیغ سے اک لاگ لگ گئی
قطرے لہو کے جس پہ گرے آگ لگ گئی

کٹ کر صفیں صفوں پہ، پروں پر پرے گرے
واں سر گرے، یہ جسم لہو میں بھرے گرے
سنبھلے تھے کچھ کہ موت کو دیکھا ڈرے گرے
ادھر سپر کی چل گئی جن پر مرے گرے
سر ٹکڑے ٹکڑے پاش پاش ادھر منہ مڑے ہوئے
لپٹے ہوئے نشانوں سے نیچے اڑے ہوئے

وہ تیغ جس پہ چل گئی وہ تیغ زن کٹا
جسم گرخت مثل خیارِ کہن کٹا
کیا منہ تھا کہ ہڈیاں بولیں جو تن کٹا
جس پر پڑی کھچاک سے فربہ بدن کٹا
اُجلا سا زخم کھل گیا چاکِ دہاں کی طرح
پھر بہہ چلا اُبل کے لہو ناؤداں کی طرح

جس دل میں دھنس گئے صفِ اعدا کو توڑ کے
زخمی اماں طلب ہوئے ہاتھوں کو جوڑ کے
سنبھلا جو تیغ زن کوئی اک ہاتھ چھوڑ کے
غصے میں دھڑ سے کھینچ لی گردن مروڑ کے
جس کو لیا، حسام کو تن کر علم کیا
پکڑا گلا، اُچھال کے پھینکا قلم کیا

ضرب ان کی گو ہے ضربِ شہنشاہِ ذوالفقار
وہ بھی مگر ہیں مرحب و عنتر کے یادگار
سر کھینچے آسماں پہ ہے آواز گیر و دار
حملوں سے رن کو زلزلہ آتا ہے بار بار
ہلّہ ہے چار سمت سے حیدر کے شیر پر
عفریت ہیں کہ ٹوٹ پڑے ہیں دلیر پر

نعروں سے اس اسد کے بھی محشر ہے ہر طرف
پھر ضرب قہرِ داورِ اکبر ہے ہر طرف
غل رن کے گرد بھی وہ برابر ہے ہر طرف
اور پھیلے چھ لاکھ کا لشکر ہے ہر طرف
ہاتھ اُٹھ رہے ہیں رخ طرفِ رزم گاہ ہے
ہلچل نہیں تلاطمِ بحرِ سیاہ ہے

آوازیں ضربتوں کی کہ جھنّا رہے ہیں گوش　　گرتے ہیں اڑ کے سر جدھر اُٹھتا ہے اک خروش
بپھرا ہے یوں اسد کہ نہیں جسم و سر کا ہوش　　وہ نعرۂ تکبیر و بدا و بدہ بہ جوش
بسمل پڑے وہ درہم و برہم قشون کے
چرّاٹے پھٹے زخموں سے تُرّاٹے خون کے

ڈوبے ہوئے لہو میں یلان سیاہ تن　　پیکِ اجل کے بر میں بھی خونی ہے پیرہن
جھنکاریں ضربتوں کی صدائے بزن بزن　　لاشے بھی کانپے جاتے ہیں جوں توم تلے ہے سکن
وہ وقت شب وہ معرکہ جنگ آزمائی کا
جاتا ہے مژ نوں غل و غوغہ لڑائی کا

اڑتا ہوا یہ شیر تو جاتا ہے گھاٹ پر　　واں ناصرانِ دیں فرسوں پہ بکروفر
کائی ہوئی سپاہ کی اس حد تک آن کر　　جاتے ہیں پھر پلٹ کے سوئے شاہ بحروبر
کہتے ہیں غل ادھر تھا جو تیغ آزمائی کا
آقا وہ اب ہے نہر پہ غوغہ لڑائی کا

برپا ہے شور جرأت جرار نامدار　　فوجوں میں دھنس کے ہو گیا غازی صفوں کے پار
جو دل تھا اس سپاہ کا لوہے کا تھا حصار　　کاٹا ہے جس پہاڑ کو اللہ رے کارزار
اڑتے ہیں وہ شرر دمِ تیغ دلیر سے
اب معرکہ پڑا ہے ترائی میں شیر سے

پاتے ہیں یہ خبر جو شہنشاہِ دیں پناہ　　ہوتے ہیں گاہ خوش کبھی کرتے ہیں بڑھ کے آہ
تکبیر کہہ کے جوش میں بڑھ جاتی ہے سپاہ　　ناگاہ سب نے جانب میداں جو کی نگاہ
دیکھا ہوا بدل گئی رُخ ہیں پھرے ہوئے
پلٹے ادھر ہیں فوج کے بادل گھرے ہوئے

آگے ہیں افسرانِ سپاہِ جفا شیم
پہلے جنھوں نے گاڑا تھا میداں میں وہ علم
جس تک پہنچ سکے بھی نہ تھے بانیٔ ستم
بیٹھے تھے معرکہ وہ علمدارِ ذی حشم
کوشش یہ ہے کہ کھو تو چکے آن بان کو
رہ جائے نام دوڑ کے لے لیں نشان کو

رایت پہ جب پہنچ لئے چلائے یوں عدو
ہو جائے باخبر سپہ شاہِ نیک خو
دریا کو ڈھکے لے چکا وہ شیر جنگجو
اب ہم علم یہ لیکے بڑھاتے ہیں آبرو
ہوگا عوض جو تھم نہ سکے اس مقام پر
قبضہ کریں گے بڑھ کے خیام امام پر

سنکر یہ شور دست یہ قبضہ ہوئے دلیر
للکارے سب وہیں سے کہ لاشوں کے ہونگے ڈھیر
تھے بسکہ وہ علم کے قریں دور تھے یہ شیر
کتنوں نے جوڑے تیر کمانوں میں کی نہ دیر
نعرہ کیا غضب میں کسی نامدار نے
گھوڑے کی باگ اُٹھا دی کسی شہسوار نے

غل پڑ گیا یہ لینے نہ پائیں بس اب علم
بیٹھے سنبھل کے رخش پہ خود خسروِ اُمم
لپکے جواں لئے ہوئے تلواریں برق دم
دونوں کے غول بڑھ گئے اور آگے سو قدم
بچپن کے ہم ردِ غیظ میں تیور بدل گئے
قابو سے اپنے عون و محمد نکل گئے

وہ وقت تھا ادھر کہ چلے تھے یہ شیر نر
ان افسروں نے ڈالے تھے رایت پہ ہاتھ اُدھر
اکھڑا نہ تھا نشاں ابھی ناگہ بہ کروفر
آ پہنچے رخش اڑا کے علمدار نامور
سن سے چلی حسام کہ دشمن جھجک پڑے
جن میں علم تھا ہاتھ وہ کٹ کر لٹک پڑے

بے دست ہو کے منہ کے بھل آئے دغا شعار	کی اور ضرب کہہ کے کہ لو دوسرا بھی وار
بڑھ کر علم پہ ٹوٹ پڑے اور نابکار	یہ بھی جھکے اٹھیں پہ مچا شور گیرو دار
کٹ کٹ کے ٹکڑے ہو گئے ہر پہلوان کے
کشتوں کے پشتے بندھ گئے گرد اس نشان کے

لاشے ابھی پھڑک ہی رہے تھے کہیں کہیں	آ پہنچے غازیان سپاہ ظفر قریں
روکا سبھوں کو بڑھ کے پکارے امام دیں	ہاں مشعلیں اٹھا دو کہ روشن ہو سب زمیں
بڑھ آئیں جن کو لطف ہو جنگ آزمائی کا
اچھی طرح سے معرکہ دیکھیں لڑائی کا

عباس شیر دل مرے جرار مرحبا	قطاع دست بدعت اشرار مرحبا
خالق بڑھائے ہمت پیکار مرحبا	ڈوبی رہے لہو میں یہ تلوار مرحبا
کر سکتے کیا ہیں اب جو ادھر ہیں ہٹے ہوئے
آگے بڑھو پھڑکتے دو لاشے کٹے ہوئے

ہاں میرے صف شکن اسد ضیغم عرب	چمکے سروں پہ چڑھ کے حسام قضا لقب
دعوے بڑے بڑے ہر اک کے ہیں نامی ہیں بے ادب	رہ جائیں حوصلے نہ یہ جی بھر کے لڑ لیں سب
حربے ادھر کے تیغ سے لڑ لڑ کے ٹوٹ جائیں
ہاتھ ان کے ایسے شل ہوں کہ تلواریں چھوٹ جائیں

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے وہ آسماں مقام	تکلیف کی حضور نے محجوب ہے غلام
اب کیا لڑینگے یہ ابھی بھاگے ہیں یا امام	دریا پہ سب نمود مٹی دھو گئے وہ نام
بہتر ہے پھر جو حکم ہے جنگ آزمائی کا
بعد اس وغا کے نام نہ لیں گے لڑائی کا

یہ ذکر تھا کہ فوج گری آن کر وہ سب — تیغوں کی تابشوں سے سحر ہو گئی وہ شب
آگے بڑھے جھپٹنے کاٹ کے انکو بصد غضب — لاکھوں پہ جا پڑا وہ ہزبرِ شہِ عرب
ہلچل مچی یزید کی نامی سپاہ میں
تلوار جم کے چلنے لگی رزم گاہ میں

سن سن چلی تو گرز و سنان تبر کٹے — یوں آ پڑے لعین کہ ہزاروں کے سر کٹے
جانیں لڑا دیں بڑھ کے جدھر سے ادھر کٹے — تلوار سے لپٹ گئے قلب جگر کٹے
کیا لڑتے روسیہ ملک الموت ساتھ تھا
جس نے پکڑ لی ڈھال نہ سر تھا نہ ہاتھ تھا

وہ تیغ برق تاب وہ کس کس ہنر کے ہاتھ — آفت ہیں سر کے ہاتھ قیامت کمر کے ہاتھ
اونچے ہوئے جدھر پے ضرب اہل شر کے ہاتھ — حربوں سمیت کٹ کے گرے دور ادھر کے ہاتھ
جو جو بڑھ آئے فرق پہ آڑیں کئے ہوئے
ڈھالیں سروں سے اڑ گئیں پہنچے لئے ہوئے

لو اب سمٹتے آتے ہیں اظلم ادھر اُدھر — گرتی ہے اب وہ برق شرر دم ادھر اُدھر
بادل سپہ کے پھٹتے ہیں پیہم ادھر اُدھر — تیغیں برس رہی ہیں جھما جھم ادھر اُدھر
تھرا رہے ہیں دور پھکیت اس کمال پر
کٹتی نہیں وہ تیغ نہ رکتی ہے ڈھال پر

حملہ کیا اِدھر کبھی، جھپٹے اُدھر کبھی — اس دل میں دھنس گئے کبھی کاٹے وہ سر کبھی
قلب سپہ کو کر دیا، زیر و زبر کبھی — پہنچے پلٹ کے میمنہ فوج پر کبھی
گھس میمنہ سے میسرہ والوں پہ جا پڑے
جب پھر علم پہ ہو گیا جھرمٹ پھر آ پڑے

پھر اس نشاں کے گرد اڑے سر ہزار ہا　　　لاشے گرے زمیں پہ برابر ہزار ہا
اور آگر پڑے علم پہ ستمگر ہزار ہا　　　ٹوٹے سنان و نیزہ و خنجر ہزار ہا
کاٹی یہ اب کی فوج کہ غصہ تھا شیر کو
دونا بلند کر دیا لاشوں کے ڈھیر کو

جوش غضب میں ڈال کے کاوے پہ جو شخرام　　　حلقہ تھا جتنا لاشوں کا روندا دیا تمام
دیکھا کہ اب ادھر نہیں بڑھتے سران شام　　　موقعہ دیا دغا کا انھیں روک لی حسام
شامت تھی وہ پلٹ کے علم پر جو آ پڑے
پھر باگ اٹھا دی رخش کی لشکر پہ جا پڑے

اس حد سے کاٹتے ہوئے فوجوں کو سر بسر　　　اس حد پہ نکلے جا کے وہ نعرہ ہوا ادھر
جا پہنچے میمنہ پہ ادھر سے بکر و فر　　　پھر دھنس کے میسرہ کی صفوں تک گیا گزر
رستے بلند لاشوں سے ہر بار ہو گئے
ڈوبے جدھر سپاہ میں اس پار ہو گئے

لڑنا وہ بھر مٹوں میں وہ ہنگامہ وغا　　　حملوں کی حد نہ تیغ زنی کی کچھ انتہا
وار اُن کے خالی جاتے ہیں گرتے ہیں اشقیا　　　لو ہاتھ چھوٹے ہو گئے جھوٹوں سے اب تو کیا
کتنے جری تھکے ہیں یہ جنگ آزمائی ہیں
گھٹنے زمیں پہ ٹیک دیئے ہیں لڑائی ہیں

فرماتے ہیں ادھر سے یہ شاہنشہ دلیر　　　شاباش اب تو مارا ما را ہے میرے شیر
واں دیکھے افسروں نے جو کشتوں کے اپنے ڈھیر　　　ساری سپہ کے کردیئے دو غول کی نہ دیر
ہر بدنہاد پھیل گیا اپنی جان پر
دریا پہ ایک بھیڑ چلی اک نشان پر

جھپٹا علم پہ ہاتھ ہی ان کے وہ شہسوار　　یوں آ گرے شجر پہ ملخ جیسے بے شمار
لاشے پٹے جو گرد نہ ہوتے کئی ہزار　　رایت اکھاڑ بے گئے تھے وہ زبوں شعار
بجلی گری تڑپ کے ہر اک بد معاش پر
گھوڑے کٹے الٹ گئے گھوڑوں کی لاش پر

چلتی تھی تیغ تیز برابر علم کے گرد　　بڑھ بڑھ کے کٹ رہے ہیں ستمگر علم کے گرد
کیا یہ بلا ہیں گرد دلاور علم کے گرد　　اٹھتے ہیں گر کے لاشہ بے سر علم کے گرد
کوشش وہی ہے جوش وہی ہے جوان کو
مردے ٹٹولتے ہیں کہ لے لیں نشان کو

کاوے میں رخش کے انھیں روندا رہا ہے شیر　　لاشوں کا ٹیکرا ہے بلند اس قدر ہے ڈھیر
کشتوں پہ چڑھ کے جاتے ہیں رایت پہ جو دلیر　　نیچے سر ان کے آتے ہیں غلطاں ادھر وہیں پر
صورت یہ اب کٹی ہوئی فوج گراں کی ہے
سب بند ہے کھلی ہوئی چوٹی نشاں کی ہے

دیکھا جو آپ نے کہ وہ غدار عاجز آئے　　انبار کشتگاں سے فرس کو اتار لائے
آواز انھیں دی گرد سے تھے جو پرے جمائے　　لو کہدو سب سپاہ سمٹ کر علم پہ آئے
لاشوں سے کھینچ لینے کی ہمت بھی دیکھ لیں
جرأت تو سب کی دیکھ لی قوت بھی دیکھ لیں

بولے یہ سرکشان سپاہ زبوں شیم　　کھینت اسطرف تو رہ گیا کیا فتح کا ہے غم
سب پر کھلا ہے زور ید اللہ ذی حشم　　لاشوں سے کیوں نہ کھینچ لیا آپ نے علم
کٹوا دی فوج رکھ لیا اس آن بان کو
پایا حضور نے نہ ہمیں نے نشان کو

فرمایا اس جری نے کہ خفت کے ہیں کلام ہوتی حیا تو منہ سے نہ لیتے علم کا نام
کیوں ہم نہ لے سکے یہ نشانِ سیاہ شام ٹھہراؤ دل میں کچھ ہمیں ہنستے ہیں خاص و عام
اچھا پھر آ کے روک لو گو وقت ٹل گیا
دیکھو علی کا زور وہ رایت نکل گیا

یہ کہہ کے پچھلے پاؤں دبایا جو راہوار سب بیچ میں وہ آگئے غل کر کے ایکبار
قربان جرأتِ اسدِ شاہِ نامدار برچھا لیا وہیں سے اُڑا رخش بیقرار
اونچا گیا سروں سے چھلاوا نگاہ میں
چھیدا پھریرا علم اسی برچھے سے راہ میں

اکھڑا زمیں سے زور کے بل میں یوں علم لاشوں کے ٹکڑے بھی نکل آئے کئی بہم
اترا فرس اُدھر کہ جدھر تھے شہِ اُمم پھینکا نکال دے کے وہ رایت بصد حشم
دوڑے اٹھانے خاک سے دشمن جناب کے
گھوڑے نے ٹکڑے کر دئے پاؤں داب کے

اٹھا تمام فوج میں اک غلغلہ عظیم کیا زور تھا دہل گیا سب لشکرِ لئیم
بڑھ کر پکارے واں سے خدیو ملک ندیم کیوں سرکشو یہ کیا ہے کہ طاری ہے خوف و بیم
دعوے ہیں تم تو لوگ ہو سب آن بان کے
رہ جائے نام اٹھا لو یہ ٹکڑے نشان کے

پھر آبدیدہ ہو گئے بھائی کو دی صدا اے میرے یادگارِ پدر میں ترے فدا
لاؤں زباں کہاں سے پئے مدحتِ وغا دکھلا دیا ہے معجزۂ جنگ مرتضیٰ
بس حشر تک یہ معرکہ کافی ہے آپ کا
دنیا میں نام ہو گیا بیٹے سے باپ کا

کب تک ملو گے آکے بھر آیا ہے میرا دل ۔ رونا نہ آئے صدمہ دوری ہے جاں گسل
اب انکی اصل کیا جو ہیں سا حل کے متصل ۔ دیکھو کہ کوئی بڑھ نہ سکا سب ہیں پا بہ گل
اونچے جو ہوتے پہلے ہی مر جاتے آن کے
نامی یہ ہیں جو کٹ گئے نیچے نشان کے

فتح اور حضرتِ عباس کو علمِ فوجِ حسینی ملنا

کچھ قصد عرض رکھتے تھے عباسِ نامور ۔ بولے مصاحبوں سے شہنشاہِ بحر و بر
لاؤ نشان فوج بنی جاکے جلد تر ۔ آیا علم تو لے کے بڑھے خود بچشم تر
فرمایا پیار سے کہ عطیہ خدا کا ہے
رایت وہ کیا تھا تو یہ علم مرتضیٰ کا ہے
اے ثانیٔ علی تہ افلاکِ نہ طبق ۔ لائق تمھارے یہ ہے تم اسکے ہو مستحق
قدر اسکی جانتے تھے دلیرانِ ماسبق ۔ غم سے منافقوں کے بھی منہ ہو گئے تھے فق
تشویش فتح جب تھی رسول قدیر کو
خیبر میں تب ملا تھا جناب امیر کو
طوبیٰ ہے جس سے اوج میں کم وہ نشان یہ ہے ۔ بالا ہے جس کا جاہ و حشم وہ نشان یہ ہے
بابا کے پاس تھا جو علم وہ نشان یہ ہے ۔ دیتے ہیں خود جسے تمھیں ہم وہ نشان یہ ہے
اب تک انھیں کے عہد سے نصرت کا ساتھ تھا
اس عہد و نشان میں امامت کا ساتھ تھا

کیا فتح کا صلہ دیں ہم اے ابنِ بوتراب
بخشا علی نے تم کو علمدار کا خطاب
جبتک رہیگی شمس و قمر میں ضیا و تاب
تاباں رہے گا سر پہ تمھارے یہ آفتاب
آئے گا جب کہ قہر قیامت جلال پر
سایہ کروگے اس کا محبانِ آل پر

آیا دلیر جھک کے سوئے شاہِ تشنہ لب
خوش خوش لیا وہ منصب والائے شیر رب
شکر عطا و لطف بجا لا کے با ادب
چوما علم تو رُخ پہ بڑھی سرخیٔ طرب
اونچا تھا چاند پنجۂ پر آب و تاب کا
نیچے افق پہ رنگ تھا لال آفتاب کا

پنجے کے گرد ضو شعاعیں وہ آب و تاب
روشن ہے یہ کہ رات کو نکلا ہے آفتاب
پرچم نہیں ہے طرہ جولاں ہے لاجواب
دامانِ پاک رحمتِ باری کا ہے سحاب
جلوہ وہ سبز گوں وہ فضا دشتِ جنگ کی
موجیں زمردیں ہیں پھریرے کے رنگ کی

دینے لگی دعائیں پس از تہنیت سپاہ
پاس آگئے خوشی سے ملے سب عزیز شاہ
اکبر نے کی یہ عرض کہ عموئے عرش جاہ
سنتے تھے جو وہ معرکے دیکھے خدا گواہ
دعوے سے یوں لڑے کوئی کیا طرزِ جنگ تھا
سچ ہے یہ دادا جان کے حملوں کا رنگ تھا

کہنے لگے سب اور بھی انصار و اقربا
اعجازِ صفدری تھی حضور آج کی وغا
فرمایا سب ہے پرورشِ خسرو ہدا
رایت بھی بعد خلعت تحسین ہوا عطا
ہوتے ہیں جاں نثار اسی خدمت کیواسطے
حیلہ کرم کو مل گیا رحمت کے واسطے

جنگ فرات

باہم یہاں تو سب میں یہ باتیں تھیں ناگہاں　　جنگی دہل فرات پہ گرجا کہ الاماں
پہنچا سمٹ کے نہر پہ سب لشکرِ گراں　　حملہ ہوا ادھر سے بھی جھپٹا یہ نوجواں
بھاگے شکست خوردہ سلاحوں کو چھوڑ کے
گھوڑا نکل گیا صفِ اوّل کو توڑ کے

ٹاپوں سے ٹوٹتے ہوئے نیزے جو چرچرائے　　ہیبت سے بند بند تبریوں کے تھرتھرائے
رو میں تنوں کے رونگٹے جسموں پہ جھرجھرائے　　صیحہ کیا فرس نے اسد جیسے گرگرائے
اٹھنے لگے وغا سے قدم ہر دلیر کے
صف دوسری الٹ گئی نعروں سے شیر کے

بعد ان صفوں کے تیسری صف میں وہ صفا جری　　کچھ اٹکے تھوڑی دیر کو شامی و خیبری
سر کچھ گئے کٹے جو گئی وار سرسری　　جلتے ہی پڑ گئی صفِ چارم میں ابتری
حملہ ہژبر کا غضبِ کردگار تھا
دوڑا فرس جو پھر صفِ پنجم کے پار تھا

آئے صفِ ششم میں مچی شش جہت میں غل　　دریا اُمڈ کے بہہ گئے بندھ کر سروں کے پل
نعروں سے طبل الٹ گئے پھٹ پھٹ گئی دہل　　سوجھا نہ دیر تک ہوئیں سب مشعلیں جو گل
سمجھے وہ لڑ رہے ہیں سپاہی ڈٹے ہوئے
دیکھا جو پھر پھڑکتے ہیں لاشے کٹے ہوئے

بھاگڑ پڑی اسد صفِ ہفتم پہ جا پڑا
تڑپا جو یاں فرس ادھر اترا یہ آ پڑا
ہل چل پڑی کہیں، تو کہیں زلزلہ پڑا
کشتوں کے ڈھیر ہو گئے رن جا بجا پڑا
واں تک زمیں جو دب گئی لاشوں کے بار سے
دوڑا ادھر نشیب کو دریا کنار سے

ساحل پہ شور اٹھا کہ بڑھو جدو کد کرو
اس صف کے پاؤں اُٹھنے نہ پائیں مدد کرو
ہاں پاس آ رہے اب وہ عمّو وجد کرو
جانیں لڑا دو شیر کے حملوں کو رد کرو
اتنا تو ہو نہ کچھ ہو جو موقعہ لڑائی کا
لاشوں سے کٹ کے روک دو رستہ ترائی کا

پہنچا وہیں سے اسکی صدا پر وہ شیر نر
تلوار وہ چلی لبِ دریا کہ الحذر
شاطر نے بڑھ کے فوج حسینی کو دی خبر
عرصہ نہیں ہے تو کوئی دم میں ہے ظفر
گیتی ہلا دی شیر نے نزدیک گھاٹ کے
لے لی ترائی سات جداروں کو کاٹ کے

شور و غا پہ کان لگائے ادھر تھے سب
نعرے ہوئے خوشی کے یہ سنکر بصد طرب
بولا کوئی سنو تو یہ غوغا ہے اور اب
ایسا ہے غل کہ جیسے ہو لشکر اماں طلب
شورش کب اتنی کم تھی شریرانِ شام کی
صاف آتی ہے صدا کہ دہائی امام کی

سنکر خوشی سے بڑھ گئے سقّے سوئے فرات
اشتر چلے پکھالوں کے اشتر بھی آٹھ سات
یوں سب جواں بڑھے کوئی جیسے چلے برات
دوڑے پکارتے ہوئے سلطان نیکذات
بس بھائی جان بھاگنے والوں کو راہ دو
دشمن پناہ مانگ رہے ہیں پناہ دو

ہر چند ان کی عفو کے قابل نہیں خطا — رونا مگر سنا نہیں جاتا کروں میں کیا
دیکھو نہ دے رہے ہیں دہائی یہ اشقیا — جرأت دکھائی رحم بھی دکھلا دو میں فدا
پھیرو عنانِ اسپ وفادار روک لو
یہ دوسری ظفر ہے کہ تلوار روک لو

اللہ رے پاس حکم شہنشاہ بحر و بر — جوش غضب تھا روک لی پر تیغ شعلہ ور
بھاگی بچا کے جان اندھیرے میں فوجِ شر — ہونٹوں کو چابنے لگے عباس نامور
پلٹے مقام رزم سے غصہ کو ٹال کے
نعرہ کیا فرات میں گھوڑے کو ڈال کے

پہنچے سبھوں کے ساتھ امام فلک مقام — غل تھا بس آج ہو گیا جرأت کا اختتام
پاس آئے شہ جو پیار کے کرتے ہوئے کلام — بولا جری کہ تابع فرماں ہے یہ غلام
وہ بچ گئے تصدقِ شاہِ انام میں
حسرت یہ ہے اب پہنچے یہ پانی خیام میں

سقوں کی سمت مڑ کے یہ بولے رفیق شاہ — مشکوں میں لیلو آب چلو سوئے خیمہ گاہ
بھرنے ظروف لگے ہو پانی کی جس کو چاہ — نکلے یہ سن کے نہر سے عباس عرش جاہ
جبتک بھرے نہ ظرف ہر اک نیک ذات کے
روکے رہے فرس کو کنارے فرات کے

پانی سے بھر چکیں جو پکھالیں سب ایکبار — اونٹوں پہ بار کر کے چلے مردان کار
سقے بڑھے تو ہو لئے پیچھے رفیق یار — بھائی کو ساتھ لے کے پھرے شاہ ذی وقار
رُخ تھا خوشی سے سرخ عزیزان شاہ کا
جھرمٹ چلا عقب میں حسینی سپاہ کا

پانی خیمے میں آنا اور فتح کی خوشی

واں بڑھ کے خادمات نے خیمے میں دی خبر
بو صاجو خوشی کی گھڑی ہے ہوئی ظفر
دشمن ذلیل ہو گئے اب کیوں ہو نوحہ گر
آتے ہیں کوئی دم میں شہنشاہِ بحر و بر
کہہ کر گئے تھے گو رہے نہ اُس دم کی بات سے
چھوٹے حضور لاتے ہیں پانی فرات سے

سنتے ہی در پہ آ گئیں شہزادیاں تمام
آنسو رواں عقب میں کنیزوں کا اژدہام
جاں آ گئی صغیروں میں پانی کا سُنکے نام
دوڑی سبھوں کے ساتھ سکینہ اُٹھا کے جام
زینب دعا کے واسطے قبلہ کو پھر پڑی
چھوٹی بہو علی کی تو سجدے میں گر پڑی

پہنچے مع سپاہ اِدھر بادشاہ دیں
ڈیوڑھی پہ غُل ہوا کہ نہ رُکے کوئی کہیں
ہٹ جاؤ پردے والو محل دیر کا نہیں
تشریف گھر میں لاتے ہیں عباسِ مہ جبیں
ہمراہ سب عزیز ہیں ہاتھوں میں ہاتھ ہے
خود قبلۂ امم بھی برادر کے ساتھ ہیں

پہنچے جو در پہ بڑھ گئے آگے شہ انام
سقوں سے خادمات نے مشکیں لیں وہ تمام
اس طرح گھر میں آئے علمدار نیک نام
مشکیزہ ایک ہاتھ میں اک ہاتھ میں حسام
رونے لگے حرم سوئے عباس آنکر
بہنیں بلائیں لینے لگیں پاس آن کر

بولیں یہ رو کے زینب مغموم پُر محن — لے ابن مرتضیٰ ترے قربان ہو بہن
دکھلائے وہ آج جو بابا کے تھے چلن — جاں باز ناصر غربا شیر صف شکن
لے آئے آب کاٹ کے فوجیں تباہی ہیں
کوشش کے صدقے جان لڑا دی لڑائی ہیں

ہے ہے یہ کیسا آیا ہے غارتگروں کا دور — پرساں نہیں کوئی کہ ہے کیا وجہ ظلم و جور
آگے کبھی نہ دیکھے تھے ایسے ستم کے طور — امت نہ سمجھی آل نبی ہیں کہ کوئی اور
واقف تھے سب مقام رسالت پناہ ہے
کعبہ یہ گھر ہے اس پہ چڑھائی گناہ ہے

بھیا خبر جب آتی تھی بڑھتے ہیں بد اساس — ہر بار ٹوٹ جاتی تھی ہم بیکسوں کی آس
وہ زاری و بکا وہ دعائیں بصد ہراس — جاتی تھیں پڑھ والیاں بوڑھی پہ بے حواس
پاتی تھیں واں نہ جب کہ گردوں سریر کو
رو کر پکارتی تھیں جناب امیر کو

حملوں میں غل جب اٹھتا تھا میداں سے بار بار — رن میں یا علی کی ادھر ہوتی تھی پکار
تھا کون دیکھتا جو وہ عترت کا حال زار — کھولو نہیں اب کمر کہ مرا دل ہے بیقرار
آنکھیں بچھاؤں زخم تن و سر کو دیکھ لوں
بیٹھو کوئی گھڑی کہ میں جی بھر کے دیکھ لوں

پڑھ کر دونہ مجھ سے تھے جب اہل شام — شانے پہ تیر کھایا تھا اے بازوئے امام
بولا سر ادب کو جھکا کر وہ نیک نام — تشویش کچھ نہ کیجئے زخمی نہیں غلام
زیبا ہے سر کروں جو نثار اس ملال پہ
سب ماں کی شفقتیں ہیں غلاموں کے حال پہ

خادم ہوں میں رہین توجہ ہوں مو بمو — مردود کردگار تھے رد ہو گئے عدو
کھاتا میں کوئی زخم تو ہوتا نہ سرخرو — ہاں پانی لا کے رہ گئی دنیا میں آبرو
پیاسوں کے منہ سے مورد شرم و حجاب ہوں
دریا پہ دیر ہو گئی کیوں آب آب ہوں

رونے یہ سن کے جوش قلق میں شہ زماں — سب معرکے بہن سے مفصل کئے بیاں
فرمایا پھر کہ مجھ کو تردد تھا بے گماں — اس گھر کی بات رہ گئی ہنگام امتحاں
نصرت میں کچھ وغا سی وغا کی ہر شیر نے
کرتے یہی علی جو کیا اس دلیر نے

لو مضطرب ہیں پیاسوں کو پانی بس اب پلاؤ — عباس نے کہا کہ سکینہ کدھر ہو آؤ
بی بی یہ بھیجی مشک صغیروں میں لے کے جاؤ — دو آب سرد سب کو، پیو، ہاتھ منہ دھلاؤ
یہ کیا ہے رو رہی ہو کہیں حال زار سے
روٹھی ہو کچھ تو آ کے منا لائیں پیار سے

واں سب نے جب سے دیکھا تھا خیمے میں آتے آب — ضبط عطش سے بالی سکینہ کو بھی نہ تاب
بچوں پہ سب جھکی تھیں کنیزیں جگر کباب — مشکوں پہ سینے رکھ دیئے بچے باصد اضطراب
لپٹے تھے رفع تشنہ دہانی کے واسطے
روتے تھے پھوٹ پھوٹ کے پانی کے واسطے

مشکیزہ لے کے خود گئے عباس نیک اساس — پانی سے سب صغیروں کی جلدی بجھائی پیاس
زینب کے ساتھ آئے عزیزان حق شناس — پہنچا دیا وہ آب فراواں ہر اک کے پاس
خوش خوش پھرے لئے ہوئے ہاتھوں میں تھے سب
نکلے محل سے خسرو عالم کے ساتھ سب

آگے بڑھ آئے حضرت عباسِ ذی حشم تقسیم یاں بھی ہو گیا پانی زہے کرم
آیا جو آب خاصۂ سلطانِ محترم سبکو پلا کے نوش کیا کچھ بہ رنج و غم
حاضر وفا شعار ہوئے فرطِ سرور میں
گزریں خوشی سے فتح کی نذریں حضور میں

ہاتھوں پہ رکھ کے تیغ علمدار نامدار جھک کر برائے نذر بڑھے با صد انکسار
بیتاب ہو کے بڑھ گئے خود شاہِ ذی وقار سینے سے سر لگا کے بہت روئے زار زار
فرمایا کیا یہ کرتے ہو میں بیقرار ہوں
بھیا تمھاری قدر نہ کی شرمسار ہوں

گرنے لگا قدم پہ یہ سنکر وہ باوفا آئی صدا علی کی کہ شبیر میں فدا
آقا ہو تم غلام ہے یہ تو پسر مرا بیٹا نشاں عطا کیا قدر اور کرتے کیا
خاطر ضرور چاہیئے خدمت گزار کی
نذرِ ظفر قبول کرو جاں نثار کی

عباس کیا زمانے میں ہوتے ہم آج گر یہ معرکہ وہ تھا کہ فدا کرتے تم پہ سر
یہ سن کے تیغ اٹھا تو لی ڈھال سے مگر بھائی کی پھر کمر سے لگا دی بچشم تر
تسلیم کر کے ہاتھ سے رایت کو تھام کے
سر رکھدیا جری نے قدم پر امام کے

جھک کر گلے سے شہ نے لگایا بصد سرور بولا وہ باوفا کہ سلامت رہیں حضور
ناگہ سحر کا چرخ پہ ہونے لگا ظہور آئی نسیم زمزمہ پیرا ہوئے طیور
گزری ہوا جو صبح کی جنگل کے پاس سے
صحرا تمام بس گیا پھولوں کی باس سے

ہفتم محرم سے عاشور تک

فارغ ہوئے نماز سے یاں شاہِ نیک خو
واں چھا گئیں پھر آن کے فوجیں کنارِ جو
اور آگئی سپاہِ یلانِ سیاہ رو
پھر ہو گیا محاصرہ لشکر کا چار سو
غوغائے فوج گونج گیا شش جہات میں
رایت کھلے کہ ملگئی رات اور رات میں

چلّایا ابنِ سعد ستمگر میانِ فوج
بڑھ جائیں راہِ نہر کو روکیں سرانِ فوج
دریا کا بندوبست کریں پھر یلانِ فوج
گھر جائے پھر فرات پہ ابرِ روانِ فوج
بے اس کے جنگ کی تو ظفریاب ہو چکے
لڑنا ابھی نہ ان سے کہ سیراب ہو چکے

فاقوں میں جب یہ شیر گزر جائیں تب لڑو
گھٹ گھٹ کے زرد منہ جب اُتر جائیں تب لڑو
بگڑے ہیں کام جو وہ سنور جائیں تب لڑو
بچے تڑپ کے پیاس سے مر جائیں تب لڑو
ٹوکو ابھی نہ فوجِ شہِ مشرقین کو
تب وقت ہے غش آتے ہوں جب دم حسین کو

القصّہ دور ہٹ کے سب اُتری سپاہِ شام
فوج غم و الم میں گھرے خسروِ انام
دن بھر رہی تعدی فوجِ سقر مقام
طولِ جفا سے ہو گیا اندھیر بعد شام
سمجھے حرم کہ عمر اسی شب میں بسر ہوئی
چہروں سے رنگ اڑ گئے تو نمایاں سحر ہوئی

آیا دن آٹھویں کا کہ روزِ سیاہِ غم — تھا دل پہ غمزدوں کے ہجومِ سپاہِ غم
زردی بھی تھی لیے ہوئے مہرِ فلک پہ گواہِ غم — گویا کھلا ہوا تھا سرِ دادخواہِ غم
اس دن پہ شب وہ آئی کہ تنگ تھا یہ ماہ کو
پہنا ہے روزِ غم نے لباسِ سیاہ کو

گزری جو یہ بھی رات تو آیا بلا کا دن — تاریخ وہ نویں، غمِ لا انتہا کا دن
غل تھا یہ دن ہے گریۂ ارض و سما کا دن — اس دن کے بعد ہوگا بس اب کل وغا کا دن
دنیا بھری ہوئی ہے تیرہ کائنات سے
رات آئی پھر فزوں تھی جو محشر کی رات سے

تھی خیمۂ حسین میں فریادِ دل خراش — وہ شورِ العطش کہ ہو دل جن کے پاش پاش
بسمل تھا کوئی غش تھا کوئی صاحبِ فراش — سیدانیوں میں غل تھا کہ موت آئے ہم کو کاش
کیا اہلِ دل نہیں ہے کوئی فوجِ شام میں
تیر آئے ہیں صدائے فغاں پر خیام میں

کمریں کسے تھے ناصرِ دیں گردِ بارگاہ — پھیلے تھے یوں کہ چار طرف کی رکی تھی راہ
بڑھ آتے تھے جدھر سے یورش کر کے کینہ خواہ — جا پڑتے تھے یہ شیر وہ ہٹ جاتی تھی سپاہ
سب مستعد تھے دشمنِ ایماں لڑائی پر
ہنگامہ زلزلۂ حشر تھا غوغا ترائی پر

ماتم ادھر تو اہلِ فلک میں جو دل ہلائے — غل تھا زمیں پہ آتی ہے آفت خدا بچائے
کیا جانئے کہ حادثہ کل کیا فلک دکھائے — عمریں خدا پرستوں کی آخر میں ہائے ہائے
احمد کو غم ہے، دکھ اسدِ کردگار کو
خاصانِ حق نے چھوڑ دیا ہے مزار کو

آتی تھی قوم جن کی یہ آواز جانگزا   کیسی بلا کی رات ہے یہ وامصیبتا
امت نے افتخارِ سلیماں سے کی دغا   گھیرے ہیں آلِ پاک محمد کو اشقیا
ملجائے کاش حکم شہِ خوشخصال کا
طبقہ الٹ دیں ان پہ مقام جدال کا

رونے کی آرہی تھی صدا رن سے بار بار   منہ ڈھانپے بین کرتی تھی کوئی جگر فگار
نوحہ یہ دم بدم تھا زباں پر بحالِ زار   اے تشنہ لب حسین تری پیاس کے نثار
ہے ہے ستم کا دیکھا ہے خواب اضطرار میں
ماں غم نصیب سونے نہ پائی مزار میں

امت نے کچھ کیا نہ ادب ہائے ہائے ہائے   بے آب دوسری ہے یہ شب ہائے ہائے ہائے
بچے نہ بھولے رنج و تعب ہائے ہائے ہائے   عترت کا ساتھ وائے غضب ہائے ہائے ہائے
غربت میں یوں تو سب پہ کچھ ایذا گزرتی ہے
او بے دیار دل پہ ترے کیا گزرتی ہے

(۴)

تیسری جدال

عنوان

فارغ بس اب یہ ذکر شب غم کہاں تلک　　دامن تر آنسوؤں سے ہو پیہم کہاں تلک
تصریح ظلم لشکرِ اظلم کہاں تلک　　ہاں وقت انتقام ہے ماتم کہاں تلک
عباسِ شیر دل کی دکھا دے مصاف پھر
لکھ تیسری جدال کہ میداں ہو صاف پھر

گو لکھ چکا ہے تو شب ہفتم کی وہ جدال　　اب کیا کہیگا اہلِ سخن کو ہے یہ خیال
عاجز نہ ہو مدد پہ ہیں عباس خوش خصال　　عرض ان سے کر کہ اے اسد شیرِ ذوالجلال
حسرت ہے کارنامۂ روزِ دہم لکھوں
سینوں میں دل ہلیں وہ مصافِ سوم لکھوں

اے سیف آبدارِ زباں پھر ہنر دکھا　　پھر یہ زمین نظمِ سخن خوں میں تر دکھا
اے کلک فکر جوہرِ تیغ دو سر دکھا　　تلوار سے کھنچی ہوئی شکلِ ظفر دکھا
گو وہ وغا بھی آئینۂ واقعات تھی
روشن ہے فرق صاف یہ دن تھا وہ رات تھی

وہ رنگ یوں چھپائے گی یہ نظم لاجواب | جس طرح سے فروغ قمر پیش آفتاب
اونچے تھے گو کہ واں بھی خیالاتِ انتخاب | لیکن فلک کے اوج سے نیچے ہیں سب سحاب

اس طرح برتری ہے اسے اُسکے حال پر
جیسے بڑھی بقی دوسری پہلی جدال پر

خونی ہے ابر طبع بڑھی ہے اُمنگ اور | یہ اور آسماں ہے دکھائیگا رنگ اور
ان دونوں معرکوں کے بیاں کا تھا رنگ اور | حملے یہ اور ہیں خطر آگئیں یہ جنگ اور

جرأت کا خاتمہ ہے وہ آفت کی رزم ہے
میداں یہ حشر کا ہے قیامت کی رزم ہے

مضطر ہے شوق مدحتِ شمشیر شعلہ بار | مصرعے دم رقم چمک اُٹھتے ہیں بار بار
کاغذ ہے مثل سطحِ سیماب بیقرار | خامے سے دوڑتا ہوا شعلہ ہے شخن اسکا

دم بھر رواں نہ ہو جو سیاہی تو دم رُکے
بجلی بنا ہے ہاتھ میں کیونکر قلم رُکے

بو اہل ظلم پر غضب آیا کریم کو | جنبش ہوئی جگہ سے عذاب عظیم کو
دیکھا وہ کشتوں نے سپاہِ لئیم کو | تاکا وہ آفتوں نے گروہِ رجیم کو

ڈر کر وہ رنگ اُڑے رخِ قوم ضلال کے
پردہ اُٹھا وہ منہ سے بلائے جدال کے

بھاگے رستے امن و اماں شکل دیکھ کر | کی شورش سپہ نے فغاں شکل دیکھ کر
ہستی ہوئی عدم میں نہاں شکل دیکھ کر | کانپی اجل نکل گئی جاں شکل دیکھ کر

دیکھیں نہ کیوں ہے شکل قیامت کھنچی ہوئی
دیکھو خدا کے قہر کی صورت کھنچی ہوئی

صبحِ روزِ عاشورہ

جب حاملِ نشانِ سحر آسماں ہوا　　لشکرِ ضیا کا جانبِ عالم رواں ہوا
رنگیں شفق سے مہرِ تجلی نشاں ہوا　　نذرِ اجل کو کاسۂ پُر خوں عیاں ہوا
چمکا قضا کا پنجۂ سُرخ آستین سے
یا سر کوئی لہو بھرا نکلا زمین سے

اے چرخ صورتِ سحرِ پُر عذاب دیکھ　　پیدا خا سے سرخیٔ رنگِ عتاب دیکھ
کیسی شفق لہو ہے دمِ انقلاب دیکھ　　خوں پنجۂ بلا میں ہے آج آفتاب دیکھ
یہ صبح ہاتھ سینۂ مشرق میں ڈال کے
لے آئی ہے زمیں کا کلیجہ نکال کے

جب مہر سے کرن کوئی ہوتی تھی آشکار　　ضو پڑتے ہی زمیں جھجک اٹھتی تھیں بار بار
موتی پہ راست کر کے لرزتے تھے سبزہ زار　　ظلمت و نور میں تھی کہ دن تھا سیاہ و تار
چلتی تھی چار رخ کو ہوا اضطرار سے
آتی تھیں ہولناک صدائیں غبار سے

دیکھا یہ دن جو دہر نے اٹھا فغاں کا غل　　تا لامکاں پہنچ گیا کون و مکاں کا غل
گیتی کے ساکنوں میں مچا الاماں کا غل　　بالا تھا سب کے غل سے زمیں آسماں کا غل
ڈر تھا خدا کے قہر کا آفت کا دن نہ ہو
عالم کو ہول تھا یہ قیامت کا دن نہ ہو

سب معرضِ خطر میں ملک کرتے تھے دعا　　　　قدسی جدا تھے محوِ مناجاتِ کبریا
روتے تھے خوف و بیم کی حالت میں انبیا　　　　آئے تھے خود مزار سے پیغمبر خدا

مضطر علی بھی تھے حسن دل ملول بھی
بکھرے ہوئے تھے بال کھلے تھیں بتول بھی

واں سب جما رہے تھے رسالے رسالہ دار　　　　ایسی رواروی تھی کہ محشر تھا آشکار
قرنائیں پیدلوں میں بھی پھنکتی تھیں بار بار　　　　جنگی صفوں کی ہوتی تھیں دیواریں استوار

ارض فساد وادیٔ کین بنتی آتی تھی
بڑھنے سے مورچوں کے زمیں دبتی آتی تھی

امام کا خیمے سے برآمد ہونا

حملے کا قصد کرتے تھے بڑھ کر جب اہلِ شام　　　　روک آتے تھے جھپٹ کے دلیرانِ نیک نام
نکلے خیامِ طاعتِ حق سے شہِ انام　　　　حاضر ہوئے وہ شیرِ حجازی پئے سلام

ہر سمت شور مدحِ شہِ جزو و کل ہوا
لشکر میں بادشاہ سلامت کا غل ہوا

کی عرض غازیوں نے ہوا پر ہیں سب شریر　　　　فوجِ حضور میں کئی بار آچکے ہیں تیر
دو دن سے سبطِ تابعِ فرماں ہیں گوشہ گیر　　　　بس اب نہیں ہے ضبط کی تاب اے فلک سریر

بودوں کی اصل کیا ہے دلیروں کے سامنے
روباہ بجمدھری کریں شیروں کے سامنے

بھوے ہیں بے حیا غضبِ حق کی وہ جدال — بھاگی کہاں کہاں تھی سپاہ سقر مآل
یہ کیا ہیں سب وہ نامیِ عالم تھے بد خصال — لے لیتے اُس نشان کو دعوے تو تھے کمال

نظروں میں ہے وہ رنگ لڑائی کا اب تلک
سوکھا نہ ہوگا خون ترائی کا اب تلک

تنہا ادھر تھے حضرتِ عباس نامور — لاکھوں ہی تھے فرات کو روکے تھے جو اُدھر
پاتے تھے بھاگتے ہوئے رستہ نہ اہلِ شر — کیا اُن دہائیوں کی اب ان کو نہیں خبر

ہے قصد اب کے لیکے نہ دریا کا پاٹ دیں
ضیغم نہیں جو نہر نہ لاشوں سے پاٹ دیں

بولے بہا کے اشک یہ سلطان خوش نہاد — اے مرحبا کرے گا خدا ہمتیں زیاد
کیا غم ہے گروہ آج ہیں پھر درپئے فساد — کھل جائینگی یہ سرکشیاں سب بوقت جہاد

سچ ہے ملال اُٹھائیے کبتک ملال پر
بس فیصلہ ہو باندھو کمریں جدال پر

دو دن سے دل میں کڑھتے ہیں عباس باوفا — روکا ہے میں نے جنگ کی چاہی ہے جب رضا
دو بار ان سے قطعِ نظر کی بدم خطا — شورش یہ تیسری ہے طرح دیجئے تا کجا

دیکھوں گا کس نے روک لیا اس دلیر کو
دریا سے اب ہٹا کے لاؤں گا شیر کو

اُمت کی مغفرت سے جو ہوتا نہ مجھکو کام — ہو جاتی صبح شب کو بڑھے تھے جب اہلِ شام
دن ہے یہ گو کہ وعدۂ وفائی کا لاکلام — سر دونگا پر خدا نے جو چاہا تو کر کے نام

سب جانتے ہیں لختِ جگر کس نبی کا ہوں
تلوار سے مروں گا کہ بیٹا علی کا ہوں

حضرت عباس کا کنویں کھودنے کا واقعہ

پلٹے وہ شیر بندھ گئیں کمریں جمی سپاہ　　کہنے لگے یہ قاسم و اکبر سے مڑ کے شاہ
پیارو کدھر ہیں آج اسدِ ضیغم الٰہ　　کردو خبر کہ چلتے ہیں اب سوئے رزمگاہ
وابستہ جان زار برادر اُنھیں سے ہے
کھولیں علم کہ زینت لشکر اُنھیں سے ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے وہ مہرو یہ بولے تب　　اُن کے قلق کا آپ پہ روشن ہے حال سب
دو دن کی پیاس کا جو سکینہ پہ ہے تعب　　رو دیتے تھے کبھی تو کبھی چابتے تھے لب
غصے میں یہ سخن تھے کہ خاک اس حیات پر
ہم پانی لینے جا نہیں سکتے فرات پر

باتیں یہ کر کے جاتے تھے گھر میں سر جھکائے　　آتے تھے باہر آنکھوں کو ہم جنوں سے چرائے
تلوار پکڑی تیر شریروں نے جب چلائے　　جھنجھلا کے بڑھ گئے کبھی کچھ سوچ کر پھر آئے
روکے ہوئے تھی عزم اطاعت جناب کی
ورنہ وہ رو کے کاٹتے رات اضطراب کی

دھنستا ادھر سے فوج کے دل میں جو خوش خرام　　کوفہ کی حد پہ جا کے چمکتی اُدھر حسام
حملوں کو روک سکتے تھے یہ سبز مستقر مقام　　آتے وہ زلزلے کہ دہلتا دیار شام
دریا تو کیا ہٹا کے سپاہِ عذاب کو
طبقہ زمیں کا توڑ کے لے لیتے آب کو

دو معرکوں کا پیش نظر گو ہے وہ جلال　　پر آج ان کے غیظ کا کچھ تھا عجیب حال
یوں ہونٹ چابتے تھے کہ خوف آتا تھا کمال　　گویا الٹ گیا تھا کلیجہ دمِ ملال
سن سن کے غلغلے سپہ بددین لعیں کے
بل کھا کے زور کرتے تھے قبضے پہ تیغ کے

ہم پیار سے لپٹ تھے جا جا کے دمبدم　　منت بھی کرتے تھے پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
کہتے تھے دیکھئے آپ کے سر کی ہمیں قسم　　لڑکے ہو گھر میں جاؤ سمجھ لیں گے خیر ہم
کیوں سب کے ساتھ تیغ و سپر تم نے باندھی ہے
کیا مر گیا ہوں میں جو کمر تم نے باندھی ہے

آخر کو جبکہ کام نہ باتوں میں کچھ بن آئے　　شب تھی سکینہ جان کو ہم جا کے پاس لائے
گودی میں لے کے پیار کیا اشک خوں بہائے　　رو کر کہا لب اس نے جو سوکھے ہوئے دکھائے
واغربتا کہ حکمِ امامِ امم نہیں
دریا ہے پاس اور ہمیں پانی بہم نہیں

پھٹتا ہے دل اب آگے نہیں طاقتِ کلام　　فرمایا پھر کہ تم سے ضروری ہے ایک کام
یہ تیغ و سپر یہ ہے یہ نشانِ شہِ انام　　سونپا تمھیں کہیں اسے رکھنا باحترام
روپوش ہوں جہاں وہ جگہ یاں ہے کہ کوئی
کہدو ہمارے خیمہ میں آئے نہ اب کوئی

فرما کے یہ گئے سوئے خیمہ بصد الم　　اس جوشِ اضطراب میں کچھ کہہ سکے نہ ہم
روتی ہوئی تھی ساتھ سکینہ بدرد و غم　　اب سن کے پیٹتے ہوئے پہنچے ہیں سب حرم
کم ہے وہ جو نہ حال ہو ایسے غیور کا
تیغ و سپر یہ ہے وہ علم ہے حضور کا

بولے حسین ہائے برادر ترے نثار ‌ ‌ ‌ جلد آئے سوئے خیمۂ عباسِ نامدار
دیکھا ہیں ڈھیر صحن میں مٹی کے آشکار ‌ ‌ ‌ بچے ہیں مضطرب کوئی جیسے امیدوار
کہتے ہیں ہم حضور سے پانی جو پائیں گے
پیاسی سکینہ جان کو پہلے پلائیں گے

وہ کہتی تھی نہیں علی اصغر ہے جان بلب ‌ ‌ ‌ پی لے گا ننھا بھائی تو ہم بھی پئیں گے سب
پہنچے ادھر سے خسروِ عالم قریب جب ‌ ‌ ‌ دوڑے بصد بکا حرمِ سیدالعرب
زینب یہ مضطرب تھیں قدم پہ آ کے گر پڑیں
بانو تڑپ کے پاؤں پہ آقا کے گر پڑیں

دے تسلیاں انھیں دیکر شہ زمن ‌ ‌ ‌ زینب کو پھر زمیں سے اٹھا کر کہے سخن
دکھ میں سنبھالو دل کو ذرا بہر ذوالمنن ‌ ‌ ‌ بیٹی رہو صابرہ کی یہ اک وقت ہے بہن
گھبرا کے ہم نہ صبر کا رتبہ گھٹائیں گے
پیاسوں کی گر حیات ہے پانی بھی پائیں گے

سمجھا کے کچھ بہن کو یوں نہیں با غم و ملال ‌ ‌ ‌ رو کر پکارے آپ کے عباسِ خوش خصال
ہو کس طرف ہم آئے ہیں گھر کا یہ کیا ہے حال ‌ ‌ ‌ کھودی ہے کیوں زمیں تمھیں قبروں کا ہے خیال
جلدی ہے کیا وہ کام خدا کے حوالے ہیں
جہلم کو گاڑے جائیں گے جو مرنے والے ہیں

روٹھے ہو ہم سے آ کے منائیں گلے لگائیں ‌ ‌ ‌ رو کا ہے اب تلک تمھیں کیوں وجہ کیا بتائیں
شرطیں بہت سی ہیں اگر امت کو بخشوائیں ‌ ‌ ‌ اول تو یہ کہ صبر و تحمل بہت دکھائیں
پھر لڑ کے مرتے دم بھی نہ مطلق ہراس ہو
یہ بھی ہے ایک شرط کہ دو دن کی پیاس ہو

عجلت تھی تم کو نہر پہ جانے کی لو آب و — بڑھتی ہے رن پہ فوج، علی کا علم اٹھاؤ
نامی جواں نہ لڑ سکیں لڑکوں کو یوں لڑاؤ — بڑھ بڑھ کے ساتھ طرزِ وغائے علی بتاؤ

وقت آ گیا ہے ہم بھی مہیا ہیں کام پر
سب منچلے ہیں جا نہ پڑیں فوج شام پر

رونے لگے حسین جو فرما کے یہ کلام — سب کو یقین ہو گیا مر جائینگے آج امام
اٹھا ہر ایک ماتمِ حرم سید انام — شورِ فغاں اٹھا کہ وہ خیمہ ہلا تمام

ہر دل پہ اک ہجوم مصیبت کا وقت تھا
بس مختصر یہ ہے کہ قیامت کا وقت تھا

بسمل کہیں تھی مادرِ قاسم بہ حالِ زار — گر اک کسی طرف کہیں کلثوم بے قرار
گر گر پچھاڑیں کھاتی ہے بانوئے سوگوار — زینب کو غش پہ غش چلے آتے تھے بار بار

وابستہ تھے جو دم سے شہ مشرقین کے
بچے لپٹ گئے تھے قدم سے حسین کے

سمجھاتے تھے ادھر کبھی حضرت ادھر کبھی — چپ ہوتی تھیں نہ وہ تو جھکاتے تھے سر کبھی
آنکھوں میں خود بہاتے تھے خونِ جگر کبھی — بچوں کو پیار کرتے تھے با چشمِ تر کبھی

سب سے بکا فزوں تھی جو اس دل ملول کی
زینب کو قسمیں دیتے تھے روحِ بتول کی

آخر یہ بولے سب سے شہنشاہ کربلا — کیا یہ خوشی ہے فرض نہ سر سے کریں ادا
ہم کیا نبی و حیدر و زہرا و مجتبیٰ — سب نے برائے بخشش امت سہی جفا

دیکھو مقام صبر ہے رقت نہ چاہیئے
برباد کرنی ان کی ریاضت نہ چاہیئے

قربانِ غیرتِ حرمِ سرورِ نکو کانپیں وہ صابرائیں سب اور کی یہ گفتگو
اچھا جو کچھ رضائے شہنشاہِ نیکخو لے جائے پکڑ کے والیاں اور لشکرِ عدو
بچے یہ اب کس اہلِ وفا کے سپرد ہیں
فرمایا آپ نے کہ خدا کے سپرد ہیں

زینب ہمارے بھائی کو ہم سے ملا دو اب آزردہ ہیں جو آئے نہ یاں گو ہیں جمع سب
روٹھے ہوئے جدا رہے گزری تمام شب اچھا نہ آئیں گر وہیں ہمکو کریں طلب
دریا پہ کیوں نہ جانے دیا منہ چھپائے ہیں
کہدو حسین خود تمھیں لینے کو آئے ہیں

لیکر بلائیں کہنے لگی بنتِ مرتضیٰ قربان جاؤں آپ سے روٹھیں گے وہ بھلا
دل سوز، سرفروش، مطیعِ شہِ ہدا خدمتگزار، عاشقِ جانبازِ باوفا
بچپن سے ناز اٹھائے ہیں شاہِ غیور نے
پالا ہے گودیوں میں انھیں تو حضور نے

انکی کشیدگی نہ کسی اور کا ملاپ حضرت کو کہتے ہیں کہ سلامت ہیں سر پہ باپ
اس جنگ میں لگی تھی کاروں سے خوں کی چھاپ قدموں پہ سر کو کاٹ کے رکھدیں جو کہدیں آپ
ہر دم فدائے سیدِ ابرار ہوتے ہیں
بھائی کہیں بھی ایسے وفادار ہوتے ہیں

آئے تھے جب تو قلب کو تھا غم و ملال اس دم بھی آپ ہی کے تو بچوں کا تھا خیال
اپنے پسر سے بات نہ کی گرچہ تھا نڈھال ایک ایک سے پوچھتے تھے کہ اصغر کا کیا ہے حال
ضد کرتی تھی سکینہ تو آنسو بہاتے تھے
بے بس تھے فکرِ آب میں گھبرائے جاتے تھے

تا دیر سوچتے رہے تدبیر و انتظام لائق نہ اُن کے جو تھا پھر آخر کیا وہ کام
دیکھیں ذرا قناتوں کی جانب چلیں امام کس تندہی سے کرتے ہیں پانی کا اہتمام
کٹتا نہیں ہے وقت مصیبت کو کیا کریں
کوشش تو سب ہے پیاسوں کی قسمت کو کیا کریں

کھودا خود اپنے ہاتھ سے خندک عمیق چاہ پائی مگر نمی بھی نہ پانی کی آہ آہ
واں سوت کسطرح کوئی آتی کہاں تھی راہ پتھر دیا ہوا تھا، جو کچھ مرضیٔ الہ
اُٹھا دھواں قلق میں دلِ خیر خواہ سے
محنت کو اپنی رو کے نکل آئے چاہ سے

کندہ کئے یونہی چھ کنوئیں با صد اضطراب پتھر دیے تھے سب میں نہ نکلا کسی میں آب
ہر بار وہ قلق، وہ صغیروں کا پیچ و تاب جھک جھک کے جھانکتے تھے کہ پیاسوں کو تھی نہ تاب
سقائے آل، شیرِ خدا کے ولی کا ہے
اب ساتویں کنوئیں میں وہ یوسف علی کا ہے

توڑی تھیں جس نے سات صفیں ساتویں کی رات پہنچے تھے بعد کوششِ مہتم کنے نا فرات
کھودے کنوئیں بھی آج اُسی جد و کد کے سات پانی اسی طرح کہیں پائے وہ خوش صفات
چاہیں حضور، گر تو ابھی کامیاب ہو
پیدا زمیں کے ساتویں طبقے سے آب ہو

سنتے ہی یہ قلق نے کیا حال دل تباہ بیساختہ نکل گئی صابر کے منہ سے آہ
فرمایا جینے دیگی نہ بھائی کو ان کی چاہ ملتا ہے کچھ نہیں کہیں، بے مرضیٔ الہ
بس اب نہ کوئی سعی برائے خدا کریں
پیاسوں کے حق میں وقت دعا ہے دعا کریں

یہ کہہ کے رب کے ساتھ چلے آپ بے قرار　　آئے ہر ایک چاہ پہ با چشمِ اشک بار
دیکھا جو ان میں جھک کے تو پتھر تھے آشکار　　پیدا تھی جن سے ہیبتِ اسرارِ کردگار
تھرایا قلب سینۂ پُر غم سے آہ کی
یا ذوالجلال کہہ کے فلک پہ نگاہ کی

آئی صدائے حضرتِ سلطانِ مرسلین　　نانا نثار اے مرے مغموم دل حزیں
دیکھو گریں نہ اشک کسی چاہ میں کہیں　　ٹوٹے ادھر وہ سنگ تو اُلٹی ادھر زمیں
یاں دخل دو یہ مرضیِ ربِ علا نہیں
ہٹ جاؤ اے حسین یہ جھکنے کی جا نہیں

غمگیں پھرے ادھر سے شہنشاہِ بحر و بر　　واں آئے ساتواں تھا کنواں جس مقام پر
دیکھا اسے بھی جھک کے، صدا دی بچشمِ تر　　لو آؤ نکلو چاہ سے عباس نامور
کاوش سے کیا وہاں جہاں اختیار ہو
نزدیک ہے یہاں بھی وہ سنگ آشکار ہو

مٹی کرو ریاض نہ اے ابنِ بوتراب　　قسمت یہی ہے پیاسوں کی کیونکر ہو کامیاب
پانی کیا ہو چھ کنوؤں میں برائے آب　　اب صبر چاہیے تمھیں بھائی کہ اضطراب
حاصل ہے کیا نہ کوشش لا انتہا کرو
کام اتنا ہے یہ کام سپردِ خدا کرو

ہاتھوں کو جوڑ کر وہ پکارے بصد ادب　　اے افتخارِ عالمیاں بحرِ فیضِ رب
پانی کا مہتمم ہوں ہیں پیاسے ہیں جاں بلب　　چھوڑوں یہ چاہ بھی تو مجھے کیا کہیں گے سب
کیا باہر آؤں دل سے نکلنے کا غم نہیں
غیرت سے ڈوب مرنے کو پانی بہم نہیں

پیاسوں پہ صدقے کرنے ہے ہر طرح جان نثار — لڑنے میں جو ہے یاں بھی وہی ہے مآل کار
رہ جائے نام اتنا کہ سقا ہوا نثار — ہوگا پھر اب کی بار جو پتھر وہ آشکار
ٹکرا کے سر مروں گا اسی اشک و آہ سے
نکلے گی لاش یوں ہی نہ نکلوں گا چاہ سے

بعد اس کے پھر نہ آئی جو عباس کی صدا — بیتاب ہو کے سبط پیمبر نے کی بکا
بولے اُٹھا کے ہاتھ کہ یا سامع الدعا — بچپن سے تو نے ناز اٹھائے مرے سدا
تقدیر کو پلٹ دے کہ دل کو قرار ہو
پتھر نہ نکلے چاہ میں اب آشکار ہو

پہنچی تھی ختم کو نہ دعا آپ کی ادھر — کچھ کچھ تری کنویں میں اُدھر آ گئی نظر
نکلا ابل کے پانی کا چشمہ پر اسقدر — ساغر بھرا بس ایک بہشتی نے جلد تر
کیا کم اثر تھے اتنے دعائے امام کے
وہ سوت بند ہوگئی بعد ایک جام کے

باہر کنویں کے آگیا یوں وہ فلک جناب — جس طرح برج دلو سے بیروں ہو آفتاب
بیرا لعلم سے یا نکل آئے بوتراب — چہرہ بحال دست مبارک میں جام آب
بڑھ کر گلے لگا لیا شاہ دلیر نے
قدموں پہ سر جھکا دیا حیدر کے شیر نے

فرمائے شاہ دیں نے بہت پیار کے کلام — کی عرض اس جری نے کہ ادنیٰ ہوں میں غلام
مڑ کر سکینہ جان سے بولا وہ نیکنام — بی بی فدا میں پیاس کے پانی کا لو یہ جام
اُترا ہے منہ قلق سے رخ زرد ہو مرا
سیراب تم ہو جب تو جگر سرد ہو مرا

آئی چچا کے پاس یہ سنکر وہ اشکبار ننھے سے ہاتھ اٹھا کے بلائیں لیں چند بار
پھر بولی جام لے کے نہ ہوں آپ بیقرار اصغر کو پہلے جا کے پلا آؤں میں نثار
اماں کو بھی مجھے بھی سوا ان کا پیار ہے
فرمایا جاؤ جلد تمھیں اختیار ہے

دوڑی ادھر یہ سن کے سکینہ بہ اضطراب مڑ کر بلایا اور صغیروں کو بھی شتاب
دکھلایا پھر فلک نے زمانہ کا انقلاب ابھی قدم سے خیمۂ عباس کی طناب
ایسی گری کہ خون دل بیتاب ہو گیا
ٹوٹا وہ جام جذب زمیں آب ہو گیا

روئی کمال درد سے چلا کے وہ صغیر دوڑے تڑپ کے سب حرم شاہ قلعہ گیر
گردوں کو دیکھنے لگے شاہ فلک سریر عباس کے کلیجے پہ بیٹھا قلق کا تیر
دنیا سیاہ ہو گئی غم کی نگاہ میں
چاہا گرا دیں آپ کو پھر جا کے چاہ میں

رو کا گلے لگا کے جو شہ نے تو کی بکا نالہ یہ تھا کہ ہائے غضب ہو گیا یہ کیا
پانی کے ساتھ اٹھ گیا جینے کا بھی مزا بولے امام پاک کہ جو مرضیٔ خدا
کیا ہوگا پھر جو رو کے سکینہ رلائیگی
تم مر بھی جاؤ گے تو وہ پانی نہ پائیگی

گر جانتے گزر گئے ایام رنج و یاس دو دن سے بھتیجے نہ بھتیں تھا فرات پاس
ہم روکتے جو پانی کے لانے کی ہوتی آس لاتے بھی آپ لڑکے تو بجھتی نہ اسکی پیاس
دو بار دل جلی ہے بلا اضطراب کی
اندیشے اب گزرتے ہیں کوشش ہیں آب کی

دریا ہو یا کہ چاہ ہو بے حکم کردگار　　ممکن نہیں کبھی کوئی قطرہ ہو آشکار
اب دل پہ سنگ صبر رکھو تم پہ میں نثار　　دیکھا ملا جو آب، ہوا کیا مآل کار
رن میں چلو کہ یاں نہ ہو کچھ واردات ابھی
ہوگی تمھارے قبضے میں نہرِ فرات ابھی

رخصت

چپ رہ گئے یہ سنتے ہی عباسِ ذی حشم　　بولے نبی کی آل سے مڑ کر بہ شرمِ اُمم
لو الوداع صاحبو فرصت بہت ہے کم　　رخصت ہے سب عزیزوں سے جاتے ہیں ہم
باہر قدم نہ گھر سے کوئی نیک خو رکھے
تیغوں میں معرکہ ہے خدا آبرو رکھے

یہ سن کے مچ گیا وہ تلاطم کہ الاماں　　تڑپی کوئی یہاں کوئی اٹھ کر گری وہاں
آئے سب اقربائے شہنشاہِ انس و جاں　　حضرت کے گرد بیٹھی جا پہنچیں بی بیاں
ملنا ہر ایک کا وہ شہنشاہِ نیک سے
وہ بین، وہ ہر ایک کی رخصت ہر ایک سے

لپٹی تھی کوئی عون و محمد سے نوحہ گر　　قاسم سے ملکے روتی تھی کوئی بچشم تر
بسمل تھی کوئی پیشِ علمدارِ نامور　　اکبر کے دوش پر تھا کسی غمزدی کا سر
غش تھی کوئی عقب میں مشرقین کے
کوئی گری ہوئی تھی قدم پر حسین کے

جانا یہ سب نے جب نہ رکیں گے شہ زمن　دکھلائے صبر فاطمہ پاک کے چلن
بدلا کسی نے جلد بھتیجے کا پیرہن　بھائی کے لائی اسلحہ جاکر کوئی بہن
کیونکر یہ داغ اُٹھے حرم دلفگار سے
بیٹوں کی کمر یاؤں نے بندھوائیں پیار سے

منگوا کے شہ نے خلعتِ شاہنشہِ نجف　پہنایا اپنے ہاتھ سے بھائی کو اس طرف
باندھے سلاح تیغ بھی دی میان کف　شوکت پکار اٹھی کہ دوبالا ہے یہ شرف
کج کر دیا وہ خود تو آن اور ہو گئی
رکھا نشاں جو دوش پہ شان اور ہو گئی

لیتے ہوئے علم کی بلائیں حرم بڑھے　غازی بڑھا تو ساتھ خدیو امم بڑھے
تیار سب تھے شیر حجازی بہم بڑھے　نصرت نے دی صدا کہ جلال و حشم بڑھے
جو تھا لوائے سید والا کے ساتھ تھا
مجمع برات کا تھا کہ دولھا کے ساتھ تھا

سواری

ڈیوڑھی تک آئے بڑھ کے جو عباسِ با کرم　رایت جھکا کے در سے نکالا بصد حشم
صف بستہ اس طرف تھے دلیرانِ محترم　نعرے کئے درود کے مجروں میں ہو کے خم
عجلت تھی سب کو آمد شاہِ غیور کی
غل پڑ گیا کہ لاؤ سواری حضور کی

گھوڑا وہ مارتا ہوا آیا کلائیاں
جیتے ہوئے جو معرکے جھیلے لڑائیاں
عالم میں جس کی تیز روی کی دہائیاں
منہ پر ہوا کے چھٹتی ہیں جس سے ہوائیاں
حکمِ امام میں کچھ اسے پیش و پس نہ تھا
سرعت تھی معجزہ سے مجسّم فرس نہ تھا

رکھ کر قدم رکاب میں حضرت ہوئے سوار
بڑھ بڑھ کے مرکبوں پہ چڑھے سب وفا شعار
رایت کھلا جو شہ پہ یہ ہوتا تھا آشکار
زیرِ ہوا ہیں احمدِ محبوبِ کردگار
پنجہ وہ اور نشاں وہ دلاور کے ہاتھ میں
نیزے پہ آفتاب ہے حیدر کے ہاتھ میں

لہرا رہی ہے سبز پھریرا ہوا سے تیز
دریائے رنگ تا سرِ گردوں ہے موج خیز
خوشبوئے علم کی چار طرف کو بھی عطر بیز
سارا جہاں بسا ہے زمانہ ہے مشک ریز
جو گل ہے تر دماغ ہے دنیائے زشت میں
طوبیٰ بھی جھوم اٹھا ہے ریاضِ بہشت میں

شیروں کے رخ ہیں لال یہ ہے حالتِ عتاب
آفت کا دن ہے سرخ بیاسی ہیں آفتاب
ممکن نہیں وہ قوم نہ ہو غارت و خراب
آثار حشر کے ہیں اب آیا دمِ عقاب
پوچھو نہ یہ کہ ہونگے فنا کس عذاب سے
طوفاں اٹھیگا خون کا تیغوں کی آب سے

کہتے ہیں آستیں کو چڑھائے ہوئے وہ شیر
جلدی بڑھیں بس اب کہیں شاہنشہ دلیر
تلواریں کیوں خراب ہوں لاشوں کے کیوں ہوں ڈھیر
میداں الٹ دو چلتے ہی لڑنے میں ہو گی دیر
دیکھیں عذاب وہ کہ نہیں حشر کا ڈر انہیں
لے لے وہیں زمیں کے تلے سے سقر انہیں

عباس نامدار کے غصے کا ہے یہ حال نظروں سے خوں ٹپکتا ہے اللہ رے جلال
لرزاں ہے اس طرح سے وہ سب صفِ قتال تھرا رہا ہے نخل ہر اک بید کی مثال
شور الاماں کا اٹھا ہے گردوں کے جوف سے
ٹھہرا ہے مہر دن نہیں چڑھتا ہے خوف سے

برہم ہے طبعِ بادشہِ خوشخصال بھی پر ساتھ ہی ہے امت جد کا خیال بھی
رخ پر غضب بھی زردی رنگ ملال بھی صدقے ہے آفتاب بھی بدر کمال بھی
دعویٰ جلال کا ہے کہ بیٹے علی کے ہیں
رحمت پکارتی ہے نواسے نبی کے ہیں

جب تھامتے ہیں باگ کو پنجہ میں استوار رکھ دیتا ہے قدم پہ کرم سر کو بار بار
دیتے ہیں دمبدم یہ صدا شاہ ذوالفقار بیٹا بس اب اٹھا دو فرس تم پہ ہیں نثار
مشتاق سب یہ شیر ہیں جنگ آزمائی کے
میداں میں چل کے معرکے دیکھو لڑائی کے

مانا کہ دن ہے صبر کا آج اے نبی کے لال پر کچھ پدر کے نام کا بھی چاہیے خیال
بہتر ہے وہ تو ہو گا جو ہے حکم ذوالجلال ایک دو گھڑی کانپ تو لے عرصۂ قتال
دنیا میں اس جلال کا ڈر سب کو ہو تو لے
حملوں کی زلزلوں سے خبر سب کو ہو تو لے

پہنچے ہر اک مقام پہ اس جنگ کا خروش عالم سنے صدائے بگیر و بدہ بگوش
سکان دہر میں اسی جانب ہوں سب کے گوش پہنچا کے بوئے خوں کو ہوائیں اڑائیں ہوش
اتنا تو غل ہو بعد کو پیاسے نے سر دیا
کس دھوم سے نبی کے نواسے نے سر دیا

ظالم ہیں دشمنان خدا ہیں عدوئے دیں — لازم ہے اب کچھ تو سزا پائیں یہ لعیں
بیکس سمجھ لیا ہے تمھیں خیر غم نہیں — کھل جائیگا لڑائی تو آغاز ہو کہیں
پشتی پہ خود رسول امم ساتھ ہوینگے
میداں میں لڑنے والوں کے ہم ساتھ ہوینگے

بھاگے کدھر سے دیکھیو خود سر کہاں گئے — کس کس جگہ لہو میں ہوئے تر کہاں گئے
کھا کھا کے برچھیاں یہ دلاور کہاں گئے — کٹ کر تنوں سے سر تنِ بے سر کہاں گئے
بڑھنے میں گر کے بھی نہ کہیں بچ کر یں گے یہ
رد کو گے جب تمھیں تو زمیں پر گریں گے یہ

جوش آچکا تھا شاہ کو سن سن کے یہ سخن — آئی صدائے حضرت محبوب ذوالمنن
روحی فداک اے مرے مظلوم بے وطن — سچ ہے کہ تم سے لڑ نہیں سکتے یہ تیغ زن
بے سر بغیر جنگ ہر ایک نابکار ہو
چاہو تو یہ غضب کی نظر ذوالفقار ہو

جرأت کا ذکر کیا ہے تمھاری کہ ہو امام — عالم لڑے تو کافی ہے اس گھر کا اک غلام
اس معرکے کو بھولیں کے برسوں نہ اہل شام — بیاسے بگڑنے پائے نہ امت کا کوئی کام
رحمت بھی ساتھ ہو جو بڑھو قتل عام پر
غیظ اپنی جا پہ صبر ہو اپنے مقام پر

ٹھہرا ہے جو ازل سے ہوتا وہ گر خیال — دو دن سے اپنی آل کا کیوں دیکھتے ملال
غصہ علی کو بھی شب ہفتم سے ہے کمال — ہم روکتے نہ رہتے تو بچتے یہ بد خصال
کس غیظ میں چڑھائے ہیں چاک آستین کے
اب تک طبق الٹ گئے ہوتے زمین کے

تم بھی جوان بھائی سے تو اں رہیو باخبر — رہ کے ہیں دیکھو اپنے برادر کو ہم ادھر
جاتے ہی معرکے میں الٹ دیگا دشت و در — غفلت نہ ہو غضب میں بھرا ہے وہ شیر نر
کیا جانے کیا کرے گا سپاہِ ضلال سے
دھڑکا ہے ہم کو ساتویں شب کی جدال سے

سب مٹ گئے تھے بھاگ نہ جاتے جو اہل کیں — بھولے نہیں وہ حملۂ ضرغام خشمگیں
پھر امتحانِ صبر کا موقعہ بھی تھا کہیں — ہو جاتے گر یہ قتل جو قائل ہیں بدیقیں
حکم ظفر اب آج نہ دینا دلیر کو
بہلاتے رہیو پیار کی باتوں میں شیر کو

نانا کرم یہ آپ کے شبیرؑ ہو فدا — بولے یہ ہاتھ جوڑ کے سلطان کربلا
ہنگامِ ذبح لب نہ ہلیں گے بجز دعا — حضرت کا میں نواسہ ہوں چاہیگا گر خدا
روکونگا اس ہژبر کو گو تشنہ کام ہوں
عباس بھی غلام ہے میں بھی غلام ہوں

لڑونگا خیر تجھ پہ تنبیہ اہل زور — تعمیل سبکہ حکم پدر کی بھی ہے ضرور
آخر میں ہوگی رخصت عباس ابھی ہے دور — قاتل نہ قتل ہوں مجھے خود فکر ہے حضور
بڑھنے نہ دوں گا نہر سے آگے دلیر کو
لے لوں گا جب قسم تو رضا دونگا شیر کو

گھوڑے اٹھے سپاہ خدا کا علم بڑھا — رخصت یہ سن کے سب فرس خوش قدم بڑھا
یوں رخش دو دو دم وہ بڑھے اور دم بڑھا — اقبال ساتھ لے کے جنود و حشم بڑھا
اک ابر گرد رہ گیا اٹھ اٹھ کے راہ سے
برقیں چمک کے چھپ گئیں گویا نگاہ سے

فوجِ یزید کا ہراس

پیکوں نے دی صدا یہ اُدھر ہوشیار ہو　　چلّائے سُن کے بانیٔ شر ہوشیار ہو
افسر پکارے کرکے نظر ہوشیار ہو　　غل پڑ گیا بچیں گے نہ سر ہوشیار ہو
اللہ رے ہیبت آمد فوج الہٰ کی
پیچھے صفیں اُلٹ گئیں اگلی سپاہ کی

پہنچے جھپٹ کے ورہراساں کمی سوار　　چلّائے ہاتھ اُٹھا کے خبردار ہوشیار
سارے نشاں جھکا دو نہ ہو دیر زینہار　　آتے ہیں خود علم لئے عباسِ نامدار
کی سرکشی تو دھوؤ گے ہاتھوں کو جان سے
رایت بلند ہو نہ کوئی اس نشان سے

سمجھاتے آتے ہیں شہِ دیں گرچہ دمبدم　　غصے کی پُر شکن نہیں ہوتی جبیں سے کم
جب دیکھتے ہیں جانبِ شمشیر بر قدم　　بہلا کے باتیں کرتے ہیں شاہنشہِ اُمم
اوروں کو کب ہے تابِ سخن اُس دلیر سے
دیکھو کسی کی آنکھ نہ ملجائے شیر سے

سنتا تھا یہ کہ جھک کے نشاں خاک پر گرے　　کانپے بسانِ بید، جواں خاک پر گرے
زور آوروں پہ تھا یہ گماں خاک پر گرے　　تھرائے ہاتھ، گرزِ گراں خاک پر گرے
دیکھا تھا اُس جدال میں لڑنا جو ساکھ کا
اوپر تلے اُلٹ گیا لشکر چھ لاکھ کا

چھپنے لگا اُدھر کوئی دوڑا اِدھر کوئی — پہنچا بلند جا پہ برائے نظر کوئی
غائب ہوا پٹک کے نشاں نامور کوئی — بھاگا پھکیت پھینک کے تیغ و سپر کوئی
سرکا کوئی صفوں سے فرس کو نکال کے
ڈوبا کوئی فرات میں گھوڑے کو ڈال کے

تھا قلبِ فوج میں پسرِ سعد بد حواس — کہتا تھا افسروں سے کہ اب فتح سے ہے یاس
ہلچل ہے بے لڑے ہوئے لشکر کو ہے ہراس — تم روکتے نہیں کہ رکے فوجِ بے قیاس
آمد کا شور سن کے ڈرے ہٹتے آتے ہیں
یہ کیا غضب ہے رن سے پرے ہٹتے آتے ہیں

مندیل کس کے سامنے ٹیکوں ہے اضطراب — خود چیختا ہوں میں کہ نہ کوشش کرو خراب
سنتا نہیں کوئی نہ حمیت نہ کچھ حجاب — دانتوں کو پیستا ہوں وہ دیتے نہیں جواب
غیرت نہیں کہ تیغ بکف بھاگے جاتے ہیں
جی چھوڑے اپنی اپنی طرف بھاگے جاتے ہیں

بولے وہ سب ہمیں بھی تردد ہے اے امیر — ٹک تو دیکھ بھاگا ہے کیوں لشکرِ کثیر
ڈالی نظر جو دور سے تھرا گیا شریر — اتنا کہا کہ آتے ہیں عباس قلعہ گیر
کہنے دیا نہ کچھ اور نہ رعبِ دلیر نے
گویا گلہ دبا لیا پنجہ سے شیر نے

نزدیک تھا کہ واں بھی مچے شورِ الفرار — خود منہ کے بھل گرا پسرِ سعد نابکار
بولا یہ سب کو روک کے شمرِ ستم شعار — ٹھہرو کہ آئی ذہن میں تدبیر یادگار
کوشش ہے اک وہ آتے ہیں جنگ آزمائی کو
گر بن پڑے تو جیت لیا اس لڑائی کو

شمر کی ایک چال

کہنے لگے یہ جوڑ کے ہاتھوں کو سب کے سب　　کیا ہے وہ فکر، دیر کا موقعہ نہیں ہے اب
پوچھا یہ یار کیسی ہے ایسا ہو کچھ سبب　　آکر لڑے نہ تم سے ہزبر یشۂ عرب

بولے لعیں کہ پھر نہ دبیں مشرقین سے
ہم سب ابھی سمجھ لیں سپاہِ حسین سے

اُس نے کہا وہ تم سے جو الجھائیں آن کر　　کیوں پھر تمھیں نصیب ہے کس طرح کی ظفر
سب اک نے بال بکاپے کہ آ جائیں گر ادھر　　غیر از یزید پھر نہ ہو دنیا میں تاجور

لیکن عبث یہ سعی پے مشکلات ہے
ہم سے ملیں گے؟ کوئی کہنے کی بات ہے

شاید یہ دلدہی و تسلی کے تھے کلام　　ایسا ہے گر تو چاہیئے ہم سب کو اہتمام
بولا عمر یہ بحث کا قصہ کرو تمام　　باتوں میں دیر گزرے گی ہونے دو جلد کام

میں مطمئن ہوں شمر دلاور کی سمت سے
رشتہ وہ اس سے رکھتے ہیں مادر کی سمت سے

حاصل ہے فخر نسبت ضرغامِ ذوالمنن　　ہے یہ عزیز مادرِ عباس صف شکن
یاں احتیں ہیں عیش ہے واں کلفت و محن　　کیا دور ہے کہ رد نہ وہ اس کا کریں سخن

کر دے جدا جو سبط پیمبر سے بھائی کو
خلعت پنہا کے سب کو بڑھوں پیشوائی کو

بولا قبول کرکے اسے شمر بد نہاد | ہاں حکم دے غل نہ مچے فوج میں زیاد
سب ڈال دیں سلاح کہ برپا نہ ہو فساد | پہنچیں جدھر صفیں ہوں سلامی پہ کچھ یاد

میرا یہ کام لاتا ہوں جا کر دلیر کو
سب کا یہ کام روک لیں منت سے شیر کو

فوج حسینی کا میدان جنگ میں پہنچنا

باتیں یہ تھیں کہ رن کی طرف غل ہو گیا | لو آ گئی سپاہ شہنشاہِ کربلا
بڑھ کر پرے جمائے دلیروں نے جا بجا | پیدا ہوئے جنودِ ملائک سر ہوا

لشکر کمک پہ آ گیا رب قدیر کا
نعرہ ہوا فلک پہ جنابِ امیر کا

بڑھنے لگا فرات بھی دکھلا کے جزر و مد | اعدا میں خاک اڑا دوں ہوا کو ہوئی یہ کد
نصرت کو پاس آ گئے صحرا کے دام و دد | سکانِ قاف بھی ہوئے حاضر پئے مدد

حربہ سنبھالے ہاتھ بلند آستین سے
جن بھی کمر تلک نکل آئے زمین سے

اللہ رے نہیب سپاہِ ظفر قریں | میداں سے دور ہٹ گئے دب دب کے اہل کیں
عباس نے غضب میں جو گاڑا نشانِ دیں | یا بوتراب کہہ کے لرزنے لگی زمین

کانپے ادھر دھمک سے قدم ہر پلید کے
رایت تمام ہل گئے فوجِ یزید کے

بولے یہ ہنس کے بھائی سے شاہِ فلک جناب
دیکھا یہ فوج لا نہ سکی دم بھر وغا کی تاب
ڈانٹا کسی کو تم نے کی لی تیغ برق تاب؟
بے وجہ بھاگے جاتے ہیں سب خانماں خراب
ہم پھر یہی کہیں گے بگڑنا فضول ہے
ایسے گریز پاؤں سے لڑنا فضول ہے

اچھا تمھیں گر ان کی سزا کا ہے کچھ خیال
پھر جا کے چھین لیجیو دریا دم جدال
ہے آج سب دلیروں کو شوق وغا کمال
اور یہی دیکھو جنگ ابھی اے پدر کے لال
غصے میں تم جو ہو تو ہر اک دور دور ہے
بیتاب سب ہیں ان کی بھی خاطر ضرور ہے

کی عرض ہاتھ جوڑ کے جو مرضیٔ امام
حکم آپ کا ہے حکم رسول فلک مقام
خیر اور سب قبول مگر یا شہِ امام
اکبر کو جانے دیگا نہ یہ باوفا غلام
کس طرح دیکھ سکتا ہوں جب حواس ہوں
تینوں ہیں شاہزادہ ہو میں شہ کے پاس ہوں

ہم صورت نبی ہے وہ سرمایۂ سرور
لڑنے دوں اپنے ہوتے یہ ممکن نہیں حضور
بولے کمال پیار سے شاہنشہِ غیور
اچھا یہی خوشی ہے تو جنگ ان کو کیا ضرور
لازم ہے جو رضا ہو تمھاری وہ سب کریں
اکبر کی کیا مجال جو رخصت طلب کریں

یہ سن کے کچھ بڑھے علی اکبر پئے کلام
دکھلا کے آنکھ اشارے سے مانع ہوئے امام
شمر اس طرف صفوں سے چلا کر کے انتظام
بولا کوئی کہ حکم ہے کیا یا شہِ انام
مقصد ہے ایک سے ہے یہ شر پرائی زور میں
رستہ اسے ملے کہ سر آئے حضور میں

فرمایا شہ نے آنے دو جو آئے روسیاہ　　آتا ہے اپنے پاؤں سے جائیگا اپنی راہ
گر تم سے شر کریگا تو پا سکتا ہے پناہ　　دیکھے گا روز بد بھی بری ہوگی گر نگاہ
خود کچھ کہے گا یا کوئی پیغام لائیگا
جیسا سوال ہوگا جواب اس کا پائیگا

بولے دلاوران سپاہِ شہ زماں　　پروا ہے کیا وہ آئے کہ سب لشکر گراں
تنکر کہا حبیب نے بولیگا کچھ یہاں　　برچھی سے چھید ونگا وغا کار کی زباں
گویا ہوئے ظہیر کہ ہم مرنے والے ہیں
گر شر ہے تو کیا ہے یہ سب دیکھے بھالے ہیں

شمر کا امام حسین کے پاس آنا اور صلح کی گفتگو کے بہانے حضرت عباس کو لیکر جانا

واں خادمان شہ کو پکارا وہ بدنہاد　　کردو خبر حضور سے آتا ہے خانہ زاد
اس حاضری سے غیر اطاعت نہیں مراد　　رکھتا ہوں عرض کچھ پئے دفعِ شر و فساد
امیدِ عفو و رحم ہے شاہِ انام سے
کہنا ہے جو وہ آپ کہونگا امام سے

اللہ رے خلقِ عام شہنشاہِ نیک خو　　بلوا لیا حسین نے قاتل کو روبرو
گو شوکت و حشم پہ جلا دل میں کینہ جو　　ڈر ڈر کے بعد مدح و ثنا کی یہ گفتگو
چرچے ہیں رحم و لطفِ امام غیور کے
اگلے کرم نہ بھول سکوں گا حضور کے

حضرت کو یاد ہوگا وہ کوفہ کا ماجرا — زینت دہ سریر خلافت تھے مرتضیٰ
آیا تھا قید ہو کے میں یا سبطِ مصطفےٰ — کوشش ہر ایک کی تھی کہ سر ہو مرا جدا
بڑھ بڑھ کے عرض کرتے تھے بو ترابؑ سے
دشمن ہے قتل ہو یہ نہایت عذاب سے

سنتے ہی آپ اگر نہ پہنچتے بصد شتاب — جلاد تک کو لائے تھے بلوا کے شیخ و شاب
کرتے تھے دمبدم جو شفاعت مری جناب — غصہ تھا پھیر لیتے تھے چہرے کو بوتراب
آخر منہ اپنا اشک سے دھونے لگے علی
مانا نہ جب حضور نے رونے لگے علی

حضرت کو جب گلے سے لگا کر کیا تھا پیار — باتیں وہ تھیں نہ کوئی سمجھتا تھا زینہار
آتا تھا تذکرہ کسی خنجر کا بار بار — ہو جاتے تھے بیانِ اسیری پہ بیقرار
پردہ تھا کچھ ہر اک سے کھلے کر کے ذکر میں
رومال تر تھا اشکوں سے چادر کے ذکر میں

پرغم تھا حال دردِ بیمار کس قدر — لڑکی یتیم، ظلم طمانچوں کے الحذر
علم اس کا گو نہیں مگر اب تک ہے یہ اثر — ہوتی ہے یاد ذکر میں چشم آنسوؤں سے تر
اک بدترین فرقۂ ظالم کا حال تھا
کچھ صبر صابرین و مظالم کا حال تھا

طاری تھی آپ پر بھی وہ حالت دمِ ملال — ہوتا تھا زرد رخ کبھی پھر کا رنگ لال
فرمایا پھر علی نے جب آیا مرا خیال — زنداں بھی بھیجو اس کو تشدد ہے کمال
تاریک گھر ہو فرق نہ ہو دن میں رات میں
چھٹنے نہ پائے قید سے قیدِ حیات میں

وہ قیدِ سخت موت تھی جس جا مجھے حیات لیتے تھے آپ ہی تو خبر وقتِ مشکلات
لاتے تھے قسم قسم کے کھانے ہر ایک رات پانی بھی خود پلاتے تھے اللہ رے التفات
روتے تھے آپ مجھ کو بصد یاس دیکھ کر
تاب آتی تھی کبھی نہ مری پیاس دیکھ کر

یاں تک غلام کیلئے کی کوششِ مزید صدقے میں قید سے ہوا آزاد روزِ عید
جبتک نہ ہوگا آج بھی لطفِ شہِ سعید ممکن نہیں ہے جا نبریٔ لشکرِ یزید
بس مختصر ہے ہوش کسی کے بجا نہیں
عباسِ نامدار سے تابِ وغا نہیں

بھیجا ہے ابن سعد نے حضرت کو یہ پیام منظور رب کے صلح ہے راضی ہوں گر امام
اک جا سب اسلئے ہیں سران سپاہ تمام جو مابہ النزاع ہیں جھگڑے وہ ہوں تمام
طے کرلیں چل کے اذن امام غیور دیں
عباسِ نامور کو اجازت حضور دیں

بولے یہ مسکرا کے شہنشاہِ بحر و بر پہلے بھی ہم کو سب تری طینت کی تھی خبر
واقف ہیں اب بھی نیتِ فاسد سے سر بسر خیر اُن کی یہ خواہش ہے تو بہتر ہے رفعِ شر
پنہاں نہیں جو کوشش بیجا ہے کام میں
روباہ چاہتے ہیں کہ شیر آئے دام میں

مکار و حیلہ ساز ہیں سب بانیٔ حسد لڑکر تو کچھ نہ کر سکے اب جی میں ہے جدّ و کد
بھولے وہ اپنے ظلم کہ جنکی نہیں ہے حد اچھا جو ملتجی ہیں نہ ہوگا سوال رد
عباس جاؤ گو کہ یہ پُر مکر و زور ہے
دشمن بھی گھر میں آئے تو خاطر ضرور ہے

سنکر یہ حکم صف سے نکل کر بڑھا وہ شیر　　گھوڑے اٹھا کے ساتھ چلے اور بھی دلیر
فرمایا ٹھہرو ہم ابھی آئے نہ ہوگی دیر　　کیا ڈر وہ شر کریں گے تو لاشوں کے ہونگے ڈھیر
دیکھیں گے جا چھپے گا عمر کس پناہ میں
ضیغم نہیں جو گھس کے نہ مارا سپاہ میں

یہ بیچیا جو ساتھ ہے بد اصل و بد نہاد　　باغی ہے سب اسی کا ہے بویا ہوا فساد
کیا دوست بن کے شاہ کے احساں لائے یاد　　کچھ تازہ مفسدہ ہو یہ مفسد کی ہے مراد
چھوٹا تھا پہلے سعی شہ خوش صفات سے
اب ہم لے چھڑائیں گے قید حیات سے

بے تاب ہو کے کہنے لگے شاہ خوشخصال　　بھیا یہ کیا ابھی سے تمھیں آگیا جلال
جلتے ہو اسلئے کہ ہو تصفیہ کا انفصال　　ایسا نہ ہو پہنچتے ہی آغاز ہو جدال
جو کام ہو برفق و مدارا وہ کام ہو
لازم ہے تم کو ضبط کہ حجت تمام ہو

لڑنے کو کیا ہے آئے ہیں جب بہر جنگ ہم　　کچھ مصلحت ہے اور رہی دیر کوئی دم
تو مطمئن ہو کہدیا ہوگا نہ بیش و کم　　اُلٹی پڑے گی کرتے ہیں فکریں جو بد شیم
وہ چاہتے ہیں ہم سے علی کا پسر ملے
تم کیا ملو گے دیکھیو کتنے ادھر ملے

سنکر امام سے یہ خبر سب وہ ارجمند　　خوش ہو گئے درود کے نعرے ہوئے بلند
اٹھا جناب حضرت عباس کا سمند　　پیدل چلا رکاب میں شمر دغا پسند
لب پر جب اُس کے کچھ سخن زور آتے تھے
یہ منہ کو پھیر لیتے تھے کچھ مسکراتے تھے

وہ جانتا تھا خوش مری باتوں سے ہیں زیاد
کرتا تھا اور ہرزہ سرائی کہ اب ہیں شاد
لاتا تھا جو زباں پہ سخن واں وہ پُر فساد
کہدیتے تھے وہ سب یہاں شاہِ خوش نہاد

پہنچاتی تھی ہوا خبریں اس مقام سے
توبہ کسی کا مکر چلا ہے امام سے

کہتے تھے سب جو تھے متبسم شہِ ہُدا
آقا یہ کچھ سفیہ بھی ہے مرد پُر دغا
ڈرتا نہیں فضول بیانی سے بیحیا
اُلٹا جو ہاتھ ماردیں منہ پر تو پھر ہو گیا

چکھے سفاہتوں کا مزہ دار و گیر میں
دنداں یقیں تو ہے کہ ہوں حلقِ شریر میں

حضرت عباس کا فوج شام میں پہنچنا اور اہل فوج کی خوشی

پہنچا جو اُس سپہ کے قریں وہ فلک مقام
باجے خوشی کے بجنے لگے ہر طرف تمام
جس سمت اُٹھ گئی نظرِ ضیغمِ امام
خم ہوگئیں اُدھر کی صفیں سب پئے سلام

سردار آگئے آگے اپنی صفائی کو
جھک جھک کے سب نشاں بھی بڑھے پیشوائی کو

سمٹی ہوئی وہ گرد کئی لاکھ کی سپاہ
مانندِ شیر بیچ میں عباس عرش جاہ
لوہے میں غرق سب صفتِ ضیغمِ الٰہ
جاتے ہیں ڈالتے ہوئے کیا کیا کڑی نگاہ

چھایا ہر اک پہ رعب نظر ہے حضور کا
رخ سوئے بارگاہِ عمر ہے حضور کا

خوش خوش ہر ایک دیتا ہے ہر اک کو تہنیت — لب پر کسی کے شمرِ دغا کار کی صفت
مِل کر گلے یہ کہتے ہیں باہم بہ مشورت — عید آج کر دیں فوج میں بس ہے یہ مصلحت
خوف اب عبث ہے دیکھ کے حیدر کے شیر کو
ہم بڑھ کے پہلے دیتے ہیں انعام دلیر کو

باہر سب آپ سے ہیں خوشی میں یلانِ شوم — غوغائے وحشیانِ عرب ہے ہر جگہ ہجوم
بھرتے ہیں خم بجا کے زغند یں علی العموم — مچی ہے ہنسنے والوں میں قلقاریوں کی دھوم
لے بھاگے ہیں جو شمر کو گودی میں آن کے
لالے پڑے ہوئے ہیں ستمگر کو جان کے

کچھ مفسدوں کا خیمۂ حرم میں غلط خبر پہنچانا اور خیمے میں تہلکہ

اس غل میں اک طرف سے کئی مفسدانِ شام — چلائے جا کے یوں عقبِ خیمۂ امام
ہاں باخبر ہو اے حرمِ شاہِ تشنہ کام — لو ہم سے جا کے مل گئے عباسِ نیکنام
ڈر تھا اسی ہزبرِ شہِ مشرقین کا
توڑا اُسے قوی تھا جو بازو حسین کا

افسوس ہے امام کو آیا نہ کچھ خیال — لائق تھا قدر کرنے کے دخترِ حق کا لال
عہدہ دیا علم کا تو کیا کر دیا نہال — اب کچھ سکینہ جان کا اُن کو نہیں ملال
واں جمع دعوتوں کے سب اسباب ہو چکے
مر جاؤ تم عطش سے وہ سیراب ہو چکے

یہ کہہ کے ہوگئے وہ شتر پر اک طرف رواں — خیمے میں شور مچ گیا تھرائے پاسباں
چلائی در پہ جا کے یہ فضہ بصد فغاں — یہ کیا خبر ہے چھوٹ گئے رب انس جاں
دوڑو کوئی کدھر ہیں فدائی سے چھوٹ کر
کیا بنگئی حسین پہ بھائی سے چھوٹ کر

ہے ہے امام ہائے شہنشاہِ بحر و بر — جو حال ہے بجا ہے قلق ہوگا سخت تر
کیونکر کہوں بچھڑ گئے عباسِ نامور — کیا دور کھول ڈالی ہو گر جنگ سے کمر
مایوس آتے ہونگے پھرے رزم گاہ سے
ہوگا علم سے کام نہ مطلب سپاہ سے

واغربا یہ دکھ یہ غم و رنج بے قیاس — کیا حال ہوگا دیکھ کے لشکر اداس اداس
تھے وہ تو دل سے عاشقِ سلطانِ نیک اساس — پھر کس کی آس ایسے برادر سے جب ہو یاس
ہول آتے ہیں وہ کی ہے دغا فوجِ شام نے
ہے ہے نہ سب کو چھوڑ دیا ہو امام نے

اب سنئے حال زوجۂ عباسِ باوفا — سن ہو گئی یہ سنتے ہی وہ صاحبِ وفا
بیٹھی تھی اٹھ کھڑی ہوئی گھبرا کے دی صدا — مجھ سے تو کچھ کہو ارے لوگو یہ کیا ہوا
شوہر نے دکھ میں ناؤ کو کس کی ڈبو دیا
کس کو مرے نصیب نے دنیا سے کھو دیا

ہے ہے یہ مجھ سے میرے مقدر نے کی بدی — ابنِ علی نے صاف دغا دی بدا بدی
سمجھے نہ شہ کو باعثِ الطاف سرمدی — بچوں کو لیکے جلئے کدھر اب یہ غمزدی
آگے کسی کے لونڈی سے جایا نہ جائیگا
منہ بی بیوں کو مجھ سے دکھایا نہ جائیگا

ایسا ہی تھا تو ساتھ نہ آتے امام کے
یہ کیوں گئے وہ غول میں افواج شام کے
دشمن سے ملگئے شہ عالی مقام کے
اچھا سلوک مجھ سے کیا ہاتھ تھام کے
گھر میں کسی سے بات کے قابل نہیں رہی
عزت میں لونڈیوں کے مقابل نہیں رہی

وقعت کی آنکھ سے مجھے دیکھے گا اب کوئی؟
سمجھے گا رشتے دار امیر عرب کوئی؟
دنیا میں یوں سبک ہو عزت طلب کوئی
میں کیا کرونگی بات نہ پوچھے گا اب کوئی
آئیگی مدتوں یہ حقارت بیان میں
خفت نصیب مجھ سی نہ ہوگی جہان میں

اے بخت واژگوں یہ مصیبت نہ رکھ روا
اے وقت بد نحوست ساعات تا کجا
اے درد و غم ملال سے جی بھر چکا مرا
اے آسماں نہیں ترے ظلموں کی انتہا
اے موت جلد آ مرے قصے کو پاک کر
اے ارض کربلا مجھے پیوند خاک کر

ہیں ناسمجھ ابھی مرے دونوں مہ منیر
بچوں کے ساتھ کھیلیں گے ہونگے نہ گوشہ گیر
بجیں گے ہائے دیگا جو طعنہ کوئی صغیر
وہ کیا سمجھ سکیں گے کہ ہم ہو گئے حقیر
اگلا سا میل جول نہ وہ بات چاہیے
ہمجولیوں سے اب نہ مساوات چاہیے

یا تو وہ نصرت خلف سید البشر
کھولی نہ تھی حسینوں کی باندھی ہوئی کمر
یا اب یہ بیرخی کہ ادھر سے گئے ادھر
گویا نہ تھے غلام شہنشاہ بحر و بر
جو خادمی کے طور تھے بے طور ہوگئے
وہ اور ہوگئے کہ امام اور ہوگئے

وہ ہفتم و دوم کی جدائیوں کے واقعات　　اتبک لرز رہی ہے سپاہ زبوں صفات
بھی فکر آب آتی ہے کہنے میں بھی بات　　کھودے تھے اپنے ہاتھ سے کیونکر کنوئیں وہ سات
سمجھی ہیں آج جانے کا مطلب پھر آئینگے
تب لڑکے پانی لائے تھے اب مل کے لائینگے

اعدائے دیں سے کی سفارش بھی تو ہے کام　　کچھ مہرباں کرینگے کہ بچے ہیں تشنہ کام
عاجز سمجھ کے رحم کرے گی سپاہ شام　　روئی میں کس طرح کوئی رونے کا ہے مقام
آقا سے یہ دغا جو بری ہو تو روؤں میں
دشمن سے التجا جو بری ہو تو روؤں میں

خدمت سے شہ کی منہ کو پھرایا تو کیا ضرور　　آفت میں ہے بتول کا جایا تو کیا ضرور
سیدانیوں کو گھر میں رلایا تو کیا ضرور　　دکھتے دلوں کو اور دکھایا تو کیا ضرور
دریا پہ جائیں یاں بھی کوئی تشنہ لب نہیں
سیراب ہوں وہ غش میں سکینہ تو اب نہیں

کہدے کوئی نہیں ہمیں پانی کی احتیاج　　سب کا خدا ہے یاں بھی وہ قائم رکھیں مزاج
نعلین بیبیوں کی ہے لونڈی کے سر پہ تاج　　میں تو کنیز انکی ہوں کیسا سہاگ راج
پروا ہے کیا بتول کی کھیتی ہری رہے
یارب یہ مانگ بانو کی صندل بھری رہے

جاؤنگی یاں سے سوئے نجف جیب میں دل جلی　　ٹکر لگے سر کہونگی دہائی ہے یا علی
اپنے پسر کا حال ہے حضرت پہ منجلی　　فریاد کرنے آئی ہوں اب جاؤں کس گلی
آقا کے حق کئے نہ ادا داد دیجیے
شوہر نے میرے کی نہ وفا داد دیجیے

زوجہ ہوں اُنکی اہلِ وفا یہ سنیں گے جب — شیدائے آل مجھ سے کنارا کریں گے تب
منہ کو چھپا کے راہ میں جنگل کی لونگی اب — پوچھے گا گر کوئی کہ ہے تو کون جاں بلب
روکر جواب دونگی تلاشی قضا کی ہوں
کیونکر بتا سکونگی بہو مرتضیٰ کی ہوں

یا فاطمہ کچھ اس میں نہیں ہے مرا قصور — محبوبؑ کی خطا ہے تو وارث کی ہے ضرور
لونڈی کو بخشیے، تو کرم سے نہیں ہے دور — ایسا نہ ہو کہیں دمِ ہنگامۂ نشور
کہیے کہ اب بلند نہ کر شور و شین کو
شوہر نے تیرے چھوڑ دیا تھا حسین کو

یہ کہہ کے دونوں ہاتھوں سے پیٹا جو اُس نے سر — تکتا تھا منہ لپٹ گیا ماں سے بڑا پسر
بولا پھر اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر — اماں نہ پیٹئے کبھی ایسے نہیں پدر
کیوں شہ کا ساتھ چھوڑینگے اعدا کیواسطے
وہ اپنی جان دیتے ہیں آقا کے واسطے

کہنے کو جو کہے کوئی کہنے بھی دیجئے — جھوٹی خبر ہے آپ اسے باور نہ کیجئے
غم کھائیے نہ خونِ جگر غم سے پیجئے — یہ سب غلط نہ ہو تو قسم مجھ سے لیجئے
بھر آیا دل منہ اشکوں سے دھونے لگیں گے اب
اچھا نہ مانیئے گا تو رونے لگیں گے اب

سمجھانے کو تو ماں کے کئے اسطرح کلام — پر واقعہ تھا باپ کا رویا وہ لالہ فام
بولی پسر سے مادرِ مغموم و مستہام — جی جاؤں میں نثار جو بن آئے تم سے کام
یہ سر نثار بادشہ نیک خو کرو
اپنا لہو بہا کے مجھے سرخ رو کرو

جلدی سے باندھی کمہ کے یہ فرزند کی کمر — ہتھیار چھوٹے چھوٹے لگائے اِدھر اُدھر
دوڑیں تمام بی بیاں سر پیٹ پیٹ کر — غل پڑ گیا کہ جاتا ہے عباس کا پسر
سب گھر پہ بدلیاں الم و غم کی چھا گئیں
بھاوج کے پاس زینب و کلثوم آگئیں

بچے سے سب لپٹ گئیں سیدانیاں بہم — لیکن جناب زینب خاتون محترم
آنچل سے اپنے پونچھ کے بھاوج کے اشک غم — بولیں غلط یہ دھیان ہے کھاتی ہوں میں قسم
ہرگز نہ ساتھ چھوڑیگا خوشخو حسین کا
بھائی کا جزو تن ہے وہ بازو حسین کا

تو صالحہ ہے ایسے مناسب نہیں سخن — ہوتا ہے اس میں وہن علمدارِ صف شکن
یہ سچ کہ تیرے حق بطرف ہیں غم و محن — میں کیا کروں قلق کو کہ بھائی کی ہوں بہن
دل سے خیال دور جو تھے پاس آتے ہیں
بی بی بس اب نہ رو مجھے وسواس آتے ہیں

ہے ہے صغیر بچے کی بندھوائی ہے کمر — اس سن میں بھیجتی ہے اسے سوئے فوجِ شر
پھپھیوں کا، پیاری بہنوں کا پیارا ہے یہ قمر — کتنوں کے اسکے داغ سے جل جائیں گے جگر
روتا ہے دل قلق سے مرا جان ڈرتی ہے
اب ہاتھ سے نشانی عباس کھوتی ہے

کہنے کو کچھ تھی بالی سکینہ باضطراب — رو کر قدم پہ گر پڑی زینب کے وہ شتاب
کی عرض کانپ کانپ کے اے آسماں جناب — کیا جانے کیا کہا تھا کہ صدموں سے تھی نہ تاب
ہول آتے ہیں کنیز شہ حق شناس ہوں
تقصیر عفو کیجئے میں بدحواس ہوں

رونے لگے یہ سن کے حرم سب بصد فغاں ڈیوڑھی سے دی صدا کسی خادم نے ناگہاں
سب خیریت ہے اے حرمِ شاہِ انس و جاں سننے کو کچھ گئے ہیں علمدار نوجواں
کیا دور اُدھر سے ذکرِ صفائی شروع ہو
آئے وہ شیر جب تو لڑائی شروع ہو

عمر سعد کے خیمے میں حضرت عباس کی پیشوائی کی تیاریاں

سنتا تھا یہ کہ سب نے کہا شکر یا اللہ اچھا ہے صلح کی نکل آئے جو کوئی راہ
ہاں پھر سنیں وہ معرکہ اب عاشقانِ شاہ پھر پڑھ رہا ہو حالِ علمدارِ عرش جاہ
آرائشیں ہیں جشن کی یہ رنگ ادھر کا ہے
گویا دلہن بنا ہوا خیمہ عمر کا ہے

ہیں جمع دعوتوں کے سب اسباب ہر طرف خوانِ طعام و تحفۂ نایاب ہر طرف
شربت بھرے وہ ساغرِ پرتاب ہر طرف ٹھنڈی صراحیوں میں ہے برفاب ہر طرف
پھولوں کے چار سمت ہیں انبار فرش پر
اک سو بچھی ہے مسندِ زرتار فرش پر

تا دور دونوں سمت جو لشکر ہے راہ پر عہدے لئے ہوئے ہر اک افسر ہے راہ پر
چھڑکاؤ دو طرف سے برابر ہے راہ پر ٹھنڈی ہوا بنائے ہوئے گھر ہے راہ پر
تر ہے تپتی ہوئی جو زمیں آفتاب سے
سوندھی مہک رہی ہے مہک خاک و آب سے

ہے در پہ بارگہ کے نقیبوں کا اژدحام
نوبت لئے ہیں نوبتیاں امیر شام
باجوں کے لوگ کام پہ ہیں مستعد تمام
قرنا اٹھا چکے کئی دیو سیاہ فام
ڈنکوں پہ خم نشان ہیں نامی کیواسطے
چوبیں اٹھی ہوئی ہیں سلامی کیواسطے

حضرت عباس کا آنا اور عمر سعد کا تملق

اُس حد راہ پر تھیں نگاہیں کہ ناگہاں
چمکا علم کا پنجۂ پرتاب و زر فشاں
آیا نظر فرس پہ ہژبر یشۂ زماں
باجے بجے ادھر کہ ہلی سقف آسماں
اور آگئے قریب جو اس اوج موج سے
کانپی زمیں تلاطم دریائے فوج سے

کوئی نہ تھا خطاب کے قابل جو راہ میں
داخل مع سمند ہوئے بارگاہ میں
ہوگا جلال و رعب کسی کی نگاہ میں
لرزہ عمر کے پڑ گیا قلب سیاہ میں
بہر سلام فرق نجس خم کئے ہوئے
پہنچا قریب نذر کی کشتی لئے ہوئے

فرمایا ہاتھ رکھ کے تواضع ہے یہ فضول
بے انفصال نذر نہیں ہے تری قبول
خادم کے منتظر ہیں اُدھر نائب رسول
ہاں مختصر سی وجہ طلب کہہ نہ کچھ ہو طول
راضی ہو جو خوشی ہو رکھتے ہیں امر بھی نہر بھی
رحمت بھی ہے امام کے قبضے میں قہر بھی

بولا لعیں کہ تابع فرماں ہوں میں غلام — یہ کفش خانہ آپ کا ہے اے فلک مقام
لیجئے قسم سوائے اطاعت جو کچھ ہو کام — حاضر ہیں سب یہ لوگ سرانِ سپاہِ شام
مجرا قبول ہونے کے امیدوار ہیں
خادم ہیں جاں نثار ہیں خدمتگزار ہیں

کیوں صاحبو میں صبح سے کتنا تھا بیقرار — کیا کیا تڑپ کے راہ پہ جاتا تھا بار بار
دیکھی یہ تم نے فطرتِ شمرِ دغا شعار — پہنچا خود اور مجھ کو نہ ہونے دیا سوار
پہلے ہی جا کے بندۂ درگاہ ہو گیا
کیا خوب مجھ سے بڑھ کے ہوا خواہ ہو گیا

سب اک زبان ہو کے یہ گویا ہوئے لعیں — کہتے ہیں ہم حلف سے یہ سب سچ ہے شک نہیں
بولا وہ اب حضور ہوا بات کا یقیں — پیاسے ہیں آپ روئے نہ میرا دلِ حزیں
برف ان میں دیکھئے کہ ہے کیسی بسی ہوئی
ٹھنڈک سے ساغروں پہ ہے سبزی رچی ہوئی

آقا بس اب قبول ہو بندے کی التماس — گرمی کچھ ایسی آج ہے مجھ میں نہیں حواس
سب مضطرب عطش سے ہیں پیالے ہیں گرچہ پاس — پانی پہ پانی پیتا ہوں بجھتی نہیں ہے پیاس
یہ اضطراب سخت ہے ہر اضطراب سے
وہ بھی بشر ہیں دور جو بستے ہیں آب سے

اب عرش سے اتر کے کرم کیجئے جناب — ٹہلا رہے ہیں لے کے سمندِ صبا شتاب
مسند پہ چلیے لوگ ہوں خدمت سے بہرہ یاب — کچھ کھا کے نوش کیجئے دو ایک جامِ آب
دم لیکے چلیے خدمتِ شاہِ غیور میں
ہم سب تو ساتھ ہونگے رکابِ حضور میں

اس فوج میں نہیں کوئی اب آپ کے خلاف   جو تھے وہ قتل ہو گئے کہتا ہوں صاف صاف
یا بھاگ کر نکل گئے کچھ باقی گزاف   کیا قہر کی تھی وہ شبِ ہفتم کی بھی مصاف
لاکھوں کا کھیت سا کھڑا وہ تیغ آزمائی میں
اب تک تو رن پڑا نہیں ایسا خدائی میں

سمجھایا، روکا، ڈانٹا، کہا بھی برا بھلا   ایسی چڑھی نہ تھی کہ سمجھتے سخن مرا
دعوے سے کی تھیں آپ سے شرطیں یہ دغا   پھر ہم تو ہنسنے والے تھے اب چھپنا ہے کیا
جس راہ پر وہ تھے انھیں ڈھر دق رکھ لیا
تعریف بے محل ہی کے چہروں پہ رکھ لیا

اس خشک چار لاکھ تماشائی تھی سپاہ   سب دو طرف تھے بیچ میں ان کی تھی رزم گاہ
جب ضرب کر کے منہ کے بھل آتے تھے رو سیاہ   کیا ہاتھ اٹھا کے کہتے تھے ہم واہ واہ واہ
وہ جانتے تھے ہیں یہ معترف تپاک سے
سو سو سلام کرتے تھے اٹھ اٹھ کے خاک سے

نامی تھے گو یہ عقل سے خارج تھے اہلِ کید   ہوتی جو کچھ سمجھ تو دکھلاتے بھی زرق و شید
شیر وغا تھے آپ وہ روباہ دل تھے صید   سب مرکبوں پہ تھان کے ٹرے تھے عمرو زید
دعوے بڑے نشان پہ تھے اہلِ زور کے
اس معرکے سے گر گئے جھنڈے غرور کے

سچی تو بات یہ ہے چھپانے سے کیا ہے کام   بس میں اسی لڑائی سے حضرت کا ہوں غلام
افسوس ہے یہاں پہ جو ہوتا امیرِ شام   رہتی یہ فوج اور کسی کے بھی پاسے نام
لے لیتا آپ کو گوشۂ عالی مقام سے
بیعت کا پھر سوال نہ کرتا امام سے

اب عرض یہ ہے امر ہے اک مشورہ طلب — پروانۂ یزید بھی آیا تھا وقت شب
بارے میں آپ ہی کے مضامیں رقم تھے سب — کرتا ہے التماس و گزارش بصد ادب
گر سرفراز کیجئے غم جائے شاد ہوں
یہ گھر تو ہے حضور کا میں خانہ زاد ہوں

عہدے تمام لیجئے لشکر بھی لیجئے — خواہش ہو گر خزانۂ پُر زر بھی لیجئے
مال و منال لے کے مرا گھر بھی لیجئے — جس ملک کی طلب ہو وہ کشور بھی لیجئے
ہر شہر کا خراج بھی دیتا ہوں باج بھی
یہ بھی نہ ہو تو تخت بھی حاضر ہے تاج بھی

جو مابہ النزاع ہے برہم ہیں جس پہ شاہ — دخل آپ گر نہ دیں تو نکل آئے کوئی راہ
بس صاف یہ ہے اے خلف ضیغم اللہ — میں مانگتا ہوں آپکی تلوار سے پناہ
خوف اسقدر نہیں کسی ذیشاں کی تیغ سے
بندے کو قتل کیجئے احساں کی تیغ سے

حضرت عباس کی تقریر

مجھ سے سوا ہے کون بہادر کا قدرداں — واں کیا دیا امام نے جز عہدۂ نشاں
جھومے یہ سن کے جوش میں عباس نوجواں — فرمایا او سفیہ بس اب بند کر زباں
یہ چاپلوسیاں یہ تملق کلام میں
لاتا ہے ہم سے شیر کو باتوں کے دام میں

کیا ہے وہ شور بخت ترا حاکمِ پلید — فاسق، شرابخور، شقی، مرتد و مرید
بے پیر، بے تمیز، عزازیل کا مرید — نسبت ہے کیا امام کجا اور کجا یزید

وہ ہے زبوں خصال یہ جمیل الشیم ہیں یہ
ظلمت وہ دیر کی ہے چراغ حرم ہیں یہ

وہ خار ہے وہ خار، جو خاروں میں ہے خراب — یہ پھول ہیں وہ پھول، جو پھولوں میں انتخاب
وہ نار ہے وہ نار، جو ناروں میں ہے عذاب — یہ نور ہیں وہ نور، جو نوروں میں آفتاب

وہ ماند ہے وہ ماند، جو ماندوں میں ماند ہے
یہ چاند ہیں وہ چاند، جو چاندوں میں چاند ہے

وہ شام ہے وہ شام، جو شاموں میں غم فزا — یہ صبح ہیں وہ صبح، جو صبحوں میں دلکشا
وہ داغ ہے وہ داغ، جو داغوں میں شعلہ زا — یہ باغ ہیں وہ باغ، جو باغوں میں پر فضا

وہ زشت ہے وہ زشت، جو زشتوں میں ایک ہے
یہ نیک ہے وہ نیک، جو نیکوں میں نیک ہے

حور و قصور و نہر لبن گلشنِ ارم — میکال و جبرئیل و سرافیلِ ذی حشم
کرسی و فرش و عرشِ بریں لوح اور قلم — میزان و حشر و بحر و بر و زمزم و حرم

پوچھے جو ان سے کون شہِ مشرقین ہے
سب اک زبان ہو کے پکاریں حسین ہے

کیا اس لعیں کو قدر نشان شہ ہدا — یہ عہدۂ پدر ہے جو ہم کو ہوا عطا
کاندھے پہ اس علم کو اٹھاتے تھے مرتضٰی — رکن رکین فوج ظفر موج مصطفٰے

سر قدسیوں کے جھکتے ہیں رفعت کو دیکھ کر
پڑھتے ہیں سب درود اسی رایت کو دیکھ کر

ظالم مری حسام سے ہے طالبِ پناہ | اس تیغ سے ہے بڑھ کے کہیں یکسو نکی آہ
ڈرتا نہیں کسی سے سوا میرے رُوسیاہ | اس گھر کا ایک طفل بھی پائے جو حکم شاہ
رکھے نشان و نام نہ تختِ پلید کا
پایا ہلا کے قصر الٹ دے یزید کا

عہدے تمام کیا ہیں یہ لشکر ہے اُس کا کیا | مٹی ہے سب خزانہ پُر زر ہے اُس کا کیا
کعبہ گھر اہلبیت کا ہے گھر ہے اُس کا کیا | خطہ ہے جبر و غدر کا کشور ہے اس کا کیا
شاہوں کے شاہ خسرو عالی مقام ہیں
وہ کون تخت و تاج کے مالک امام ہیں

ہم اور امام بیکس و تنہا کو چھوڑ دیں | ادنیٰ غلام کیلئے آقا کو چھوڑ دیں
پست اسقدر ہوں رتبۂ اعلیٰ کو چھوڑ دیں | دنیائے دوں کیواسطے عقبیٰ کو چھوڑ دیں
چھوڑیں حرم کو رسم ہو اہلِ کنشت سے
دوزخ کو کوئی جاتا ہے باغ بہشت سے

اچھا یہی ہے اس ستم آرا کو گر خیال | بس اک ہماری تیغ سے ڈرتا ہے بد خصال
یاد اس کو رکھ کہ اب دمِ ہنگامۂ جدال | پہلے لڑے گی فوج شہنشاہِ باکمال
اپنی سپہ کی طاقت و قوت بھی دیکھ لے
ایک اک جری کی شوکت و حشمت بھی دیکھ لے

کیوں اب تجھے جنگ کرنے میں ہوگا نہ تجھ کو ڈر | یوں بھی یہی ہے لڑیں تو کہیں بانیانِ شر
پر ہاں تمام فوج میں کہہ دے پکار کر | روکی جو راہِ نہر تو ہوں گے نہ تن پہ سر
کوفے تلک ڈٹے ہوئے گو بد شعار ہیں
ابکی کھنچی یہ تیغ تو پھر وار پار ہیں

وہ رزم کیا تھی کیا خبر ہفتم کے واقعات
اب فکر کیا کہ کر نہ سکے کچھ زبوں صفات
مارا بھی ہے انھیں تو یہ کیا فخر کی ہے بات
کچھ ان کی اصل تھی نہ تمھاری ہے کائنات
لڑ کر تو مر گئے وہ نہ گر فتح پا سکے
جرأت کے تم دھنی ہو کہ چرکا نہ کھا سکے

ہنستے تھے تم انھیں انھیں ہنستا تھا اک جہاں
دعوٰی یہ پھر کہ ہم ہیں سپاہی کے قدرداں
کیوں بے حمیتو دم پیکار امتحاں
چھینا تھا ہم نے جسکو تمھارا نہ تھا نشاں
لشکر کی ناک صف وہ تھی جو دو بدو بڑھی
تم خوش ہوا سکے کٹنے سے اور آبرو بڑھی

پیرو ہو جن کے رکھتے ہیں وہ بھی یہ جرأتیں
بھاگے ہزار بار ہوئیں کچھ نہ ذلتیں
دونو طرف کی فوج سے یکساں تھیں الفتیں
اُن سے تمسکاتیں نہ کچھ اِن سے عداوتیں
رہتے تھے لڑنے والوں کے پیچھے سپاہ میں
ہوتے تھے آگے بھاگنے والوں کے راہ میں

کیوں ابن سعد تو تو ہمارا ہے دوستدار
گزرے گواہ بھی کہ سحر سے تھا بے قرار
سچا ہے گر تو قول سے پھرنا نہ زینہار
ہم جو کہیں وہ کر کہ صداقت ہو آشکار
گر چاہتا ہے لائیق آب اپنے کام میں
پانی کی پہلے بھیجدے مشکیں خیام میں

پیاسا ہے نہ شاہ کا لشکر تو ہم پئیں
پی لیں یہ آب سرد جو سرور تو ہم پئیں
تر کر لیں لب جو آلِ پیمبر تو ہم پئیں
سیراب ہولے پیاس میں اصغر تو ہم پئیں
کر خوف بد دعا نہ کوئی بے گناہ دے
پہرے ہٹا لے نہر سے پیاسوں کو راہ دے

پیر لوں یہ گرم دھوپ کہ تپتے ہیں سب جبال ‌ ‌ ‌ بے آب تین دن سے ہیں اطفالِ خورد سال
جو صاحبِ قلق ہوں وہ اتنا کریں خیال ‌ ‌ ‌ کیا ہوگا بے زبانوں کے قلب و جگر کا حال
غم ہے یہ ان کی تشنہ دہانی کو دیکھ کر
دل سے دھواں اٹھتا ہے پانی کو دیکھ کر

حُر کی تجویز اور ابن سعد کی گھبراہٹ

سنتا تھا یہ کہ اُڑ گیا رنگِ رخِ عمر ‌ ‌ ‌ کتنے شریر رو دیے منہ پھیر پھیر کر
حاضر وہیں تھا حر دلاور بہ کر و فر ‌ ‌ ‌ بیٹا غلام بھائی بھی باندھے ہوئے کمر
سب کیطرح یہ لوگ نہ پتلے دغا کے تھے
چاروں جوان چار عناصر وفا کے تھے

بڑھ کر عمر سے حر جری نے کیا خطاب ‌ ‌ ‌ سچ ہے بہت بجا ہے جو فرماتے ہیں جناب
کچھ ہو بس اب نہیں دلِ مضطر کو میرے تاب ‌ ‌ ‌ دے حکم اے امیر کہ جاؤں میں لیکے آب
احساں کیا تھا خسروِ عالی مقام نے
پانی دیا تھا راہ میں مجھ کو امام نے

یاد آگیا وہ دشت وہ گرمی وہ اپنی پیاس ‌ ‌ ‌ سب تھے عطش سے میرے رسالے ہیں بدحواس
منہ خشک ہونٹ خشک زباں خشک دل اداس ‌ ‌ ‌ پانی سے یاس کرب کی حالت دمِ ہراس
لو تھی کہ پھونکے دیتی تھی دامن جبال کے
گر گر گئے تھے رخش زبانیں نکال کے

حضرت سے تشنہ کاموں کا دیکھا گیا نہ غم
مطلق کیا نہ اپنے صغیروں کا کچھ الم
ترپے تھے جتنے ساتھ وہ بخشے بصد کرم
پانی بھی پی کے ہوش میں پھر نہ آئے ہم
راہِ عطا میں حق کا تمنا سا نہ رہ گیا
انساں تو کیا فرس کوئی پیاسا نہ رہ گیا

یارب یہی حسین ہیں اس بن میں تشنہ لب
محسن کے اپنے کام نہ آؤں یہ ہے غضب
یہ تو کھلا کچھ آج کہ تو بھی ادھر ہے جب
پھر مجھ کو اس سپاہ میں رہنے کا کیا سبب
اب غم ہے کیا لڑینگے جو غول اہلِ شام کے
سر تجھ سے پہلے دونگا قدم پہ امام کے

گھبرا گیا یہ سنتے ہی وہ خانماں خراب
عباس نامدار سے بولا باضطراب
مہلت ہو ایک دم کیلیے اے فلک جناب
کچھ کر کے مشورہ ابھی دیتا ہوں میں جواب
جانا ہے جلد خدمتِ شاہِ غیور میں
خود مشک آب لیکے چلوں گا حضور میں

یہ سُن کے مسکرائے علمدارِ باوفا
فرمایا خیر ہم ترا سمجھے ہیں مدعا
پھیرا عناں کو در سے نکل آیا بادپا
کچھ دور جا کے واں سے تھما ضیغمِ وفا
روکا کنوتیاں جو بدلنے لگا سمند
اس صحنِ بارگہ میں ٹہلنے لگا سمند

واں جان پا گئے وہ فسوں ساز پُر دغل
سمجھے کہ سر سے ٹل گئی آئی ہوئی اجل
دوڑے جگہ سے سب کے کلیجوں میں تھی دہل
غرفوں کے پاس آ گئے کتنے زبوں عمل
کچھ ڈر سے جھانکنے لگے دشمن نجات کے
کتنوں نے چاک کر دیئے پردے قنات کے

خوشامدی فوج اور مکّار سردار

دیکھا یہ جب کہ دور ہے یاں سے وہ شیر نر
کچھ کم ہوا دلوں میں جو پیدا ہوا تھا ڈر
پاس آگئے ابن سعد کے جلدی سے بدگہر
حال اسکا اور تھا متردد تھا سخت تر
بولے خوشامدی عبث اتنا ملال ہے
وہ آپ نے کہا کہ جو کہنا محال ہے

کیا خوب کی جری سے دلیرانہ قیل و قال
دینے کا ذکر کیا تھا برابر کے تھے سوال
حاکم کے حکم پر انھیں گزرا تھا کچھ ملال
سب دیکھتے تھے آپ بھی غصے میں تھے کمال
کیا یونہی بارگاہ سے باہر نکل گئے
ہاں ہم گواہ ہیں کہ طرح دیکے ٹل گئے

کہنے لگا کوئی نہ تھے اور ایک دم
پنہاں یہ تھی بغل میں مرے تیغ برق دم
گویا ہوئے یہ اور شریران بدشیم
خنجر تھے آستینوں میں بڑھنے ہی کو تھے ہم
بولا کوئی غضب میں تھا میں تھا میں بھی بھرا ہوا
مسند کے نیچے تھا مرا برچھا دھرا ہوا

سب کے ادھر سے ایک پکارا دغا پسند
میں تھا لئے ہوئے کئی حلقوں کی یہ کمند
چلّائے کتنے ہاتھوں میں تیغیں کئے بلند
ہم جھپکے جا چکے تھے کہ پے کردیں وہ سمند
آئی صدا یہ پھر کسی گوشے سے کان میں
دیکھو یہ تیر جوڑے تھا میں اس کمان میں

خم ٹھونک کر یہ کہنے لگا کوئی پہلوان وہ اس قنات میں مرا ساطو ہے نہاں
بڑھ کر کہا کسی نے کہ سچ ہے ترا بیاں مانگی تھی اپنے بھائی سے میں نے بھی تو سناں
آواز ادھر سے آئی کہ غصہ تھا آنے کو
میں بھی الگ کھڑا تھا فقط غل مچانے کو

بے پیر کی اپنی اپنی اڑاتے تھے نابکار چھپ چھپ کے جھانکتے جاتے تھے غازی کو بار بار
گھبرایا سب کے غل سے بن سعد بد شعار ڈانٹا کہ چپ ہو شور میں ہو گئے ذلیل و خوار
سمجھے ہو دور ضیغم شیر الٰہ کو
سن لیں جو کچھ الٹ دیں ابھی بارگاہ کو

کرتے ہیں چپکے چپکے بڑوں کی بڑائیاں یا یہ کہ غل مچا کے کرو خود ستائیاں
میں نے قریب دیکھے تو کی تھیں صفائیاں کیسی صفائیاں نکل آئیں برائیاں
اب کیا وہ دل ہیں تجھے جوا لاغ سے کٹے ہوئے
مشکیں اٹھاؤ جاؤ نہ سقے بنے ہوئے

بس کچھ ہے زندگی کی جو صورت تو اسقدر اقرار کر چکے ہیں علمدار نامور
پہلے لڑیں گے اور دلیران پرجگر پھر ان سے معرکہ بھی جو ہوگا تو نہر پر
ہاں مصلحت ہے تم تو لڑانا سپاہ کو
پھر دونگا آفتوں سے میں دریا کی راہ کو

وہ آفتیں کہ جن میں بشر کی تو کیا مجال رکھنا قدم کا دیو قوی تن کو ہو محال
سوچا ہوں جو خیال سے تن پر کھڑے ہیں بال سب بھول جائینگے شب ہفتم کی وہ جدال
کہنا نہیں ابھی جو حضور نگاہ ہے
رستہ ہے وہ بلا کا قیامت کی راہ ہے

حر اور عمر سعد کی جھڑپ

توبہ ہے حر کے سامنے کہتا ہوں دل کا راز — سب حال یاں کا پہنچے گا پیش شہ حجاز
اب چھپتے ہو حسین کی ہے دوستی پہ ناز — دشمن بغل میں تھا یہ ہوا آج امتیاز
اس مار آستیں سے بچو تم سے لاگ ہے
منتر نہیں ہے کاٹے کا جس کے وہ ناگ ہے

کیوں حر ارے ہوا ہے تجھے حاکم کا کچھ نہ پاس — جلسہ کیا حسین کا بیخوف و بے ہراس
یہ خشک خشک ہونٹھ یہ چہرہ اداس اداس — ثابت ہے چتونوں سے کہ ہے تین دن کی پیاس
راحت کا کوئی شغل نہ آب و طعام کا
فاقوں میں پہلے ساتھ دیا ہے امام کا

دیکھی مری منجھے ہوئے فقروں میں گفتگو — وہ دام میں نہ آئے مگر کیا پھنسا ہے تو
کیوں پر سمجھے مجھ کو شوق اطاعت تھا اے عدو — کہلائی دم میں کیسی جو مخفی تھی آرزو
عہدہ بس اب کوئی نہ کوئی کام چاہیے
سیدھے سپاہیوں میں ترا نام چاہیے

منشی کدھر ہے کاٹ دے فہرست سے اس کا نام — کیوں پہلے مجھ سے ہوگا نہ تو فدیۂ امام
جا تو یہی ادھر ابھی بھیجوں گا یہ پیام — آنے نہ دیں قریب اسے شاہنشہ امام
یہ مل کے داغ دے گا امام غیور کو
بھیجا ہے شمر نے کہ دغا دے حضور کو

حاکم سے اپنے تجھ کو بغاوت کا کیا سبب   پرچہ نہ کیا لگے گا یہ پھیلے گی بات جب
کیوں لشکرِ حسین میں جاتا ہے بے طلب   کیسا الٹ گیا ہے ترا قلب ہے غضب
مانوں نہ میں اثر ہے یہ تسخیر نام کا
دل پر ترے ہوا ہے تصرف امام کا

آ ہوش میں حواس ہیں تیرے پُر اختلال   گفتار میں وہ بات، رفتار میں وہ چال
چہرے کا رنگ زرد ہے آنکھیں لہو سی لال   گرمی چڑھی نہ ہو تو غلط کہہ مرا خیال
دم بھر رہا ہے سرد یہ حالت ہے شوق کی
مجھ کو تو فکر پڑ گئی زنجیر و طوق کی

عاقل کا کب یہ کام کہ ثروت کو چھوڑ دے   دیوانہ ہے جو دامن دولت کو چھوڑ دے
دشمن سے اپنے چاہیے رغبت کو چھوڑ دے   یا یہ کہ دوستوں کی محبت کو چھوڑ دے
بہتر ہے اس سے تیغ جو گردن سے آ ملے
دشمن ہے اپنا آپ جو دشمن سے جا ملے

پیاسا تھا واں ترا جو رسالہ میان راہ   خوف اتنا تھا کہ لٹ کے نہ ہو قافلہ تباہ؟
پانی نہ دیتے دب کے تو چھن جاتا خوامخواہ   شاباش خوب شاہ کے احسان جتائے واہ
کیوں خوش تو کر دیا خلف بوتراب کو
محسن بنا لیا شہ عالی جناب کو

جنگی سوار اور تجھ ایسے کہ پائے نام   تیری نہیں یزید کی تقصیر ہے تمام
کس طرح رک سکے کوئی رکنے کا ہے مقام   جاتے ہی یاں سے ہو گا بس اب نائب امام
رہتے ملیں گے خدمت شاہ غیور میں
بھیجا کریں گے ہم بھی عریضے حضور میں

اس پر نہ بھولنا کہ میں ہوں افسر کلاں　　جا کر ابھی تجھ کو ہٹتے ہیں اب افسری کہاں
تجھ التجائے عفو ہلائی اگر زباں　　ایسا ذلیل ہوگا کہ دیکھے گا اک جہاں
ہاں پھر تو نام جانے کا او کم وقار لے
کہہ دوں ابھی کسی سے کہ وردی اتار لے

سنتے ہی لال ہوگیا غصے میں وہ ہزیر　　نعرہ کیا غضب میں گرج کر لسان پیر
او پر فساد ننگ شیاطین مجوس و گبر　　بس منہ کو بند کر نہیں اب جھانکتا ہے قبر
کب مانتا ہوں تجھ سے سگ حیلہ ساز کو
بھونکا تو کاٹ لونگا زبان دراز کو

آیا میں دیکھ رہ تو سہی بانیٔ فساد　　تو کیا ہے کیا یزید ہے کیا ہے بن زیاد
کیوں میرے منہ پہ طعن سے ذکر شہ جواد　　دانتوں سے بوٹیاں تری کاٹونگا بدنہاد
دم لوں نہ جب تلک تجھے دیکھ بھال لوں
پنجہ یہ ہے پکڑ کے گلا دم نکال لوں

خود ہے ذلیل اور مجھے سمجھا ہے تو حقیر　　چھاتی پہ چڑھ کے کھینچ لوں گا دن کو کیوں شریر
ان انگلیوں سے یاد رکھ او مفسد کبیر　　کلّوں کو چیر ڈالونگا ہوں گی جو دار و گیر
ہاتھوں میں زور شیر خدا کی ولا کا ہے
یہ پنجۂ اجل وہ طمانچہ قضا کا ہے

تو ہے وہ ہیز گر ابھی کھینچوں گا تیغ تیز　　آنتوں میں کہہ رہا ہوں کہ کر جائے گا گریز
سب تیرے مگس ہیں خوان کے تیرے یہ فتنہ خیز　　اڑ بھاگیں گے بچے گا جو ہنگامہ ستیز
شوران کا کیا ہے کیا ہیں بندے طعام کے
لقمے شکم میں بول رہے ہیں حرام کے

دعویٰ جو کچھ ہو اور تو جرأت مجھے دکھائیں کیسے یہ عہدہ دار ہیں دبتے ہیں جنہنے بائیں
تھوڑے اگر ہیں فوج سے اور زدکو جن کے لائیں تلوار پکڑیں چار طرف سے سمٹ کے آئیں
تربھر نہ کردوں گر تو بہادر نہ جانیو
ٹُر ہو نہ جائیں سب تو مجھے حُر نہ جانیو

ارذل ہے ارذلوں کو شریفوں کی قدر جان گدی سے کھینچی جاتی ہے بدگو ہو جو زبان
اب مجھکو بے ادب تری تنبیہ کا ہے دھیان؟ کیوں شرط ہے اٹھاؤ بٹھاؤ پکڑ کے کان
بخشوں گا تجھ سے کیوں کہ ہے گھاتوں کا آدمی
باتوں سے مان سکتا ہے لاتوں کا آدمی

ہاں ہاں مجھے حسین کی ہے دوستی پہ ناز بیشک ہوں جان و دل سے غلام شہ حجاز
یاں آئیگا عداوتِ حیدر سے گر نہ باز واں مار آتشیں تجھے کاٹیں گے اور گراز
اتنا نہ زہر اگل کہ قریب انتقام ہے
کالی ہے جس میں آگ وہ کالا مقام ہے

کیوں مجھ کو تیرے حاکم مردود کا ہو پاس جب حاکم ازل کا وہ دشمن ہے بد اساس
پیاسا میں تین دن سے ہوں پہنچ ترا قیاس سیر آب ہو حسین تو بجھ جائے میری پیاس
کیونکر ہو مجھ کو رنج امام سعید کا
تو تو پئے ہوئے ہے پیالہ یزید کا

مکار جعلسازی پہ اپنی یہ افتخار کیسا فریب ہو گیا آخر کو آشکار
عرض قبول آپ تو کرتا تھا بار بار سمجھے تھے وہ بھی میں بھی تصنع کا انکسار
پانی خوشی سے دیگا کوئی یہ گماں بھی تھا
"جھوٹے کو تا بہ خانہ" کا مضموں یہاں بھی تھا

ہیں صحنِ بارگہ میں ابھی وہ فلک جناب آتے ہی حکم دینگے بڑھا مشکہائے آب
گزرا جو یاں ہے عرض کرونگا دم خطاب منہ توڑ دوں گا دیگا جو انکار کا جواب

مارا اب پڑی کہ مشک کی بُو اوعدو گئی
دونوں طرح غرض کہ تری آبرو گئی

عہدہ یہ کیا ہے کیا ہے تو منشیٔ فوج شام لکھا ہوا ہے دفترِ حیدر میں میرا نام
حیلوں سے تیرے او ستم آرا سقر مقام آنے نہ دینگے فوج میں اپنی مجھے امام

جیسا ہے جس کا دل اُسے پہچانتے ہیں وہ
مجھ کو غلام، تجھ کو عدو جانتے ہیں وہ

الٹا ہے قلب مجھ کو یہ کہتا ہے بد عمل تیرا ب کھلا دماغ میں بھی تیرے ہے خلل
پاتے ہیں کلب تیغ سے دیوانگی کا پھل پیتا ترا بھی کٹتا ہے او قیدی اجل

زنجیر و طوق کیا تری تدبیر ہو چکی
عو عو نہ کر کہ موت گلو گیر ہو چکی

عاقل نہیں جو دین کی دولت کو چھوڑ دے دنیا ہے کیا کہ جس کی نہ ثروت کو چھوڑ دے
ہاں دشمنوں سے چاہیئے رغبت کو چھوڑ دے ہرگز نہ دوستوں کی محبت کو چھوڑ دے

دشمن یہ ہیں جو ساتھ تجھ ایسے شقی کے ہیں
وہ دوست ہیں جو دوست خدا کے ولی کے ہیں

واں پیاس سے جو میرے رسالے کو تھی نہ تاب کیوں او لعیں امام نے دیکر دیا تھا آب
یاد آگیا جلالِ خدیوِ فلک جناب کیا منہ تھا کوئی آنکھ ملاتا دمِ عتاب

طاری تھا ڈر مرے بھی دلِ فکرمند پر
قدموں پہ سر تھا ہاتھ عنانِ سمند پر

ہوتا نہ درمیان جو میں او دغا شعار | دریائے رحم جوش پہ آتا نہ زینہار
کرتا ہے مضحکہ مرے جانے پہ نابکار | دیکھے گا کیوں نیابت سلطان ذی وقار؟

حکم اب ترے عریضوں پہ ہوگا ممات کا
رکھدونگا پھاڑ کر ترا کاغذ حیات کا

چاکر ہے چاکروں کا وہ مردودِ دو جہاں | جو اس سپاہ ظلم میں ہے افسر کلاں
مندیل رکھ نہ دی مرے قدموں پہ گر توہاں | ممکن نہیں کہ موت سے دم بھر ملے اماں

کھو ہونگا اب کمر بھی تو ان سب کے مار کے
وردی اتارنی ہے ترا سر اُتار کے

عمر سعد کی بارگاہ میں ہنگامہ اور حضرت عباسؑ کا آکر حُر کو لیجانا

چلایا پیٹ کر ابنِ سعدِ زبوں سیر | لینا اسے کہ دی مجھے ذلت تمام تر
دوڑے شریر دور سے حربے سنبھال کر | اک غل ہوا کہ جانے نہ پائے یہ نامور

برچھے لگاؤ گھیر لو مل کر دلیر کو
ہاں مار لو، پکڑ لو، کمندوں سے شیر کو

پھرے ادھر بھی چار یہ شیران دشت جنگ | لی بڑھ کے حُر نے میاں سے شمشیر شعلہ رنگ
برچھا لیا جھپٹ کے برادر نے بے درنگ | بیٹے کو گرز اُٹھاتے ہی اور آگئی اُمنگ

لپکا غلام حُر شجاعت پناہ کا
ہلا دیا پکڑ کے ستوں بارگاہ کا

ہلنے لگے خیام تو باہر ہوئی پکار — تلوار بارگاہ میں چلتی ہے ہوشیار
جھپٹے اٹھا کے فرس سیکڑوں سوار — چاروں طرف سے دوڑ پڑی فوجِ نابکار
قرنا کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
جنگی دہل بجے کہ زمیں تھرتھرا گئی

یاں صحنِ بارگہ میں تھے عباسِ ذی حشم — صیحہ فرس کا سُن کے بڑھے بانیِ ستم
بس در کی سمت چھیڑ کے شبدیزِ خوش قدم — ڈانٹا کہ ابنِ سعد خبردار، آئے ہم
کیوں بے ادب شریروں نے تیغیں سنبھال لیں
اب غل مچا تو منہ سے زبانیں نکال لیں

سننا تھا یہ کہ پڑ گئی قلبوں میں تھرتھری — کانپے بسانِ بید، جوانانِ لشکری
کیسی وہ دار و گیر کہاں کی وہ بگدھری — بودوں کا ذکر کیا تھا گریزاں ہوئے جری
اُس سمت جا چھپا کوئی پیچھے بھیڑ کے
نکلا کوئی عقب کی قناتوں کو چیر کے

دبکا اُلٹ کے فرش کہیں اہلِ شر کوئی — چڑھ کر ستوں پہ چھپ گیا چھت کاٹ کر کوئی
پھاندا قنات اُڑ گیا بیداد گر کوئی — جا کر گرا طناب میں، اُلجھا اُدھر کوئی
ہلچل تھی باب بند تھے گفت و شنود کے
بھاگا عمر بغل کے دریچے سے کود کے

درانہ بارگہ میں در آیا علی کا لال — واں کون تھا نکل گئے تھے سب زبوں خصال
نعرہ کیا پہنچ کے کچھ ایسا بصد جلال — وہ شیر دل بھی کانپ گئے بید کی مثال
حربے چھٹے ہر ایک بہادر کے ہاتھ سے
نزدیک تھا کہ تیغ گرے حُر کے ہاتھ سے

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے غازی سے وہ غیور　　بے جرم ہوں غلام کا مطلق نہ تھا قصور
ناحق فساد کرتے تھے مجھ سے وہ بے شعور　　کیونکر کہوں انھیں جو سنے کلمۂ ہائے زور
شور اُن کا تھا انھیں کا وہ غوغا تھا دور تک
میری صدا تو پہنچی نہ ہوگی حضور تک

فرمایا کچھ نہ خوف کر اے صاحبِ حیا　　واقف ہیں ہم کہ مفسد و مقوی تھے اشقیا
یہ کیا کہا قصور و جرائم کا ذکر کیا　　معصوم کے غلام سے ہوتی بھی ہے خطا
ہے یاوروں میں قبلۂ عالم پناہ کے
لکھا ہے تیرا نام صحیفے میں شاہ کے

لاکھوں ہیں پر کسی کو بھی یہ دن ہوا نصیب　　اپنا محب کہے جسے اللہ کا حبیب
عصیاں کے عارضے کا مسیحا ہو جو طبیب　　خطبے میں نام عرش پہ جس کا پڑھے خطیب
فرمائے وہ کہ جس کے شرف جانتے ہیں ہم
ہاں اپنے اس حبیب کو پہچانتے ہیں ہم

آتے ہی یاں جو تجھ سے ہوئے تھے نہ ہم کلام　　موقعہ وہ تب تھا اور اب اور ہے مقام
لے عفو کر دے پھر شہنشاہ ذوالکرام　　محجوب ہیں کہ تجھ سے نہ کی سبقت سلام
دعویٰ نہیں ہے اس کا کہ عالی مقام ہیں
جن کا رفیق تو ہے ہم ان کے غلام ہیں

کیا پیاس ہے تجھے ہیں لاحق ہے اضطراب　　دریا کو چھین کر ابھی لے آئیں جام آب
گو ہم پہ آج وقت ہے بھائی نہ کر حجاب　　جس شے کی ہو طلب وہ منگا دیں تجھے شتاب
راضی ہیں گر ترے لیے سر زیرِ تیغ ہو
کام آئے جان تک تو نہ تجھ سے دریغ ہو

اب چل کہ منتظر ہیں ادھر ذی وقار سب | مشتاق تیرے شوق میں ہیں بیقرار سب
تنہا نہ ایک تو، نہ یہ قوم فرار سب | کس سے لڑیگا بھاگ گئے نابکار سب

تجھ سا بھی دوسرا تھا کوئی آن بان میں
موقعہ ہوا تو رکھ لے سرِ ہی کو میان میں

سنتے ہی لطف خاص و عنایات کے کلام | کاٹھی میں جلد رکھ لی جواں مرد نے حسام
بولا قدم کو چوم کے یوں پھر وہ نیکنام | قربان اس غلام نوازی کے یہ غلام

جرأت کسطرح آپ پہ رحمت بھی ختم ہے
لطف و کرم بھی ختم مروت بھی ختم ہے

میری بساط کیا کہ ہوں اک عبد خاکسار | اتنا بڑھا دیا مجھے اے آسماں وقار
اس کا جواب کوئی نہیں اور زینہار | بس جان و سر کو آج قدم پر کروں نثار

یہ نصرتِ امام مری بے غرض نہیں
پاؤں گا وہ حیات کہ جسکا عوض نہیں

یہ سنتے ہی لگا لیا سینے سے حر کا سر | بھائی سے اس دلیر کے جھک کر ملے ادھر
بیٹے کو حر کے پیار کیا آگے آن کر | پلٹے ادھر غلام پہ شفقت کی کی نظر

تسلیم کو جو اُٹھ گیا اس ذی حشم کا ہاتھ
شاباش کہہ کے پشت پہ پھیرا کرم کا ہاتھ

نکلے بارگاہ سے لیکر انھیں جناب | بھاگی لرز کے فوج دغا کار و بیحجاب
چاروں جواں چڑھے فرسوں پہ بصد شتاب | دوڑے زمیں سے ملکے وہ گھوڑے صبا شتاب

رستے پہ جو تھے پھٹ گئے بادل سیاہ کے
اٹھے ہوا میں پانچ تتق گردِ راہ کے

حُر کا امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچنا

اب سنیئے واں کا حال کہ حضرت کی سب سپاہ
صف بستہ راہ میں تھے اسی جانب تھی ہر نگاہ
وہ واقعاتِ راہ وہ حالات بارگاہ
جو واں گزر رہا تھا خبر دیتے تھے شاہ
تھا سب کو وجد ضیغمِ حیدر کے ذکر پر
جوش آرہے تھے حُرِ دلاور کے ذکر پر

ناگاہ سامنے سے نمایاں ہوا غبار
بڑھ بڑھ کے دیکھنے لگے سب شہ کے جاں نثار
غل پڑ گیا وہ آ گئے عباس نامدار
آواز دی حبیب نے پانچ آتے ہیں سوار
آگے وہ شیر کا فرس سبزہ رنگ ہے
پیچھے کمیت تین ہیں اور اک سرنگ ہے

دیکھا وہاں سے حُر نے جو شہ کا جمال پاک
بھیجا درود کہہ کے کہ لے روحنا فداک
رہوار سے گرا دیا اپنے کو سوئے خاک
نزدیک تھا کہ فرط ندامت سے ہو ہلاک
بھائی پسر غلام بھی سب پاس اتر پڑے
اللہ رے رحم رخش سے عباس اتر پڑے

فرمایا بڑھ کے حال تو کہہ کیا ہے ماجرا
عرض اس نے کی کہ مجھ کو نہ لیجیئے میں فدا
پکڑی تھی میں نے باگ خجالت یہ کم ہے کیا
بیٹے سے پھر کہا مری جانب کو جلد آ
کس طرح جاؤں خدمت شاہِ غیور میں
ہاتھوں کو میرے کاٹ کے لیجا حضور میں

عباس نے کہا نہیں بھائی کہا تو مان — وہ سب خطا معاف ہے دیتے ہیں ہم زبان
کیا جانے ان کا لطف ابھی تازہ ہے میہمان — خاطر تری وہ ہوگی کہ جس کا نہیں بیان
ابرِ کرم ہیں آئے ہیں رحمت نمائی کو
کیا دور ہے کہ آپ بڑھیں پیشوائی کو

پورا ابھی نہ ختم کو پہنچا تھا یہ کلام — آئی صدا فلک سے کہ لے حر نیک نام
بس بس کہ آبدیدہ ہیں پیغمبرِ انام — لے اُٹھ کے دیکھ آتے ہیں لینے تجھے امام
چڑھنا نہ اب فرس پہ شرف گر قبول ہے
پیدل وہ ہے جو راکبِ دوشِ رسول ہے

جلدی اٹھا یہ سُن کے تو اب دیکھتا ہے کیا — سب ساتھ ہیں اور آتے ہیں سرور پیادہ پا
مجرے کو بڑھ کے جھک گئے چاروں وہ باوفا — حضرت نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر یہ دی دعا
آلِ رسولِ پاک کی نصرت قبول ہو
یارب انھیں سعادتِ عقبیٰ حصول ہو

گر کر قدم پہ رونے لگا حرِ نیکنام — کی عرض رحم کیجئے مجرم ہوں میں غلام
یاں آپکو میں گھیر کے لایا تھا یا امام — اب بھی کوئی ہے غیرِ جہنم مرا مقام
کم ہے وہ جو حضور سزا دیجئے مجھے
دوزخ نہیں قبول جلا دیجئے مجھے

کہنے لگے یہ رو کے شہنشاہِ نیک خو — کیسا وہ جرم، تھا بھی تو بخشا دیا اب تو
انگلی پھر اسکے ماتھے پہ رکھ کر بہ شوقِ نکو — بولے گواہ رہیو کہ تم سب کے روبرو
اسکو مٹا کے پہلے جو تھا سرنوشت میں
حصہ اب اس کا لکھ دیا باغِ بہشت میں

کاندھے سے حُر کے بول اٹھا کاتبِ گناہ ـــ شاہد ہوں میں بھی پہلے جہنم تھی اسکی راہ
کیا لکھدیا جبین پہ اے مصطفےٰؐ کے ماہ ـــ یاں حرف اُڑ گئے مرا دفتر تھا سب سیاہ
لکھا پلٹ دیں بخت کا کیا ذی کرم ہیں آپ
کچھ شک نہیں ہے مالکِ لوح و قلم ہیں آپ

اٹھا قدم سے سرورِ دیں کے وہ سرفراز ـــ رتبے پہ اپنے فخر تھا اپنے شرف پہ ناز
پاس آکے ان جوانوں کے سب ضیغمِ حجاز ـــ ملنے لگے گلے بصد اعزاز و امتیاز
حکم طرب سے رنج کو تہدید ہو گئی
باہم معانقے جو ہوئے عید ہو گئی

جنگ کی تیاریاں

مہماں کی خاطروں سے جو فارغ ہوئے جناب ـــ اب پاس آگئے بھائی کے بادیدۂ پُر آب
حاضر تھا مثلِ شیر وہ دلبندِ بوتراب ـــ سینے سے سر لگا لیا دل کو رہی نہ تاب
اس شان پر منہ اشکوں سے دھونے لگے حسینؑ
بابا کی یاد آگئی رونے لگے حسینؑ

جب مل چکے تو کہنے لگے شاہِ نامدار ـــ بھیا تمھاری کوشش و محنت کے میں نثار
تکلیف اٹھائی اے شیرِ مرداں کے یادگار ـــ بلوا کے بھی نہ راہ پہ آسکے دغا شعار
تم کیا کرو جب انکو شقاوت سے کام ہو
بھیجا اسی لئے تھا کہ حجت تمام ہو

غازی نے عرض کی یہ کہ مکّار ہیں لعیں　　مفسد ہیں قول و فعل بھی باطل ہیں بالیقیں
لازم ہے کچھ اب انکی سزا یا امام دیں　　لاشوں سے دیکھئے گا کہ پٹ جائے گی زمیں
ساتھ اس سپہ کے جنگ میں جانے تو دیجئے
لڑنے نہ دیجئے مجھ کو اڑنے تو دیجئے

خادم ہوں پر ہوئی جو گزارش نہ یہ قبول　　قبر علی پہ بیٹھ رہوں گا میں دل ملول
گر ہے یہی تو کوشش میداں ہے سب فضول　　کٹوا دیں بے لڑے ہوئے سر کیوں بڑھائیں طول
ضیغم جو چپ ہیں شیر وہ سب بد خصال ہیں
گھوڑے ابھی اٹھیں تو شقی پائمال ہیں

فرمایا خیر ہاں بھی ہو سامان کارزار　　پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی وہ آسماں وقار
اللہ رے رعب حضرت عباس نامدار　　جب خود طلب کیا تو قریب آئے جاں نثار
مجرے کو جھک کے اور تو آگے سے ہٹ گئے
قاسم ادھر ادھر علی اکبر لپٹ گئے

بولے یہ پیار کر کے کہ قربان ہو چچا　　دیکھو گے آج دید کے لائق ہے یہ وغا
دونوں نے کی یہ جوڑ کے ہاتھوں کو التجا　　لڑنے کی پہلے ہم کو دلا دیجئے رضا
فرمایا جان و دل ہو امام انام کے
تم پاس رہیو قبلۂ عالی مقام کے

اوروں سے پھر کہا کہ سمندوں پہ جلد جاؤ　　اب وقت کارزار ہے جنگی صفیں جماؤ
کیا فوج ابن سعد اسے خاطر میں کچھ نہ لاؤ　　آقا سا قدرداں ہے ادھر جرأتیں دکھاؤ
واں اس سپہ کو شام کے اظلم لڑائیں گے
دیکھو تو معرکہ کہ تمھیں ہم لڑائیں گے

بڑھ کر سمندِ خاص پہ حضرت ادھر چڑھے — عباسِ شیر دل بھی ادھر رخش پر چڑھے
گھوڑوں پہ دوڑ دوڑ کے سب نامور چڑھے — غل پڑ گیا کہ رن پہ شہ بحر و بر چڑھے
نعرے غضنفروں کے ہوئے فوجِ شاہ میں
جنگی دُہل گرجنے لگے اُس سپاہ میں

میداں میں دور دور سے لشکر کے دل بڑھے — فوج اپنی لے کے ساتھ ہی پیکِ اجل بڑھے
دعوائے رستمی پہ سب اہلِ دغل بڑھے — بڑھنے سے جن کے ہل گئی گیتی وہ یل بڑھے
سنبھلے پکڑ کے باگوں کو یہ ارجمند بھی
جم جم کے مارنے لگے ٹاپیں سمند بھی

بڑھنے ہی کو تھے سب کہ علمدار نامدار — دوڑا کے رخش سامنے آئے بصد وقار
فرمایا بس جمے رہو بڑھنا نہ زینہار — جھپٹے تو بھاگ جائے گا آتا ہوا شکار
آجائیں اتنی زد پہ کہ پیچھے نہ ہٹ سکیں
وہ ہٹ سکیں جگہ سے نہ گھوڑے پلٹ سکیں

واں تین سمت سے جو بڑھے ہیں دغا شیم — وسعت بھی ہوتی آتی ہے دشتِ وغا کی کم
قربانِ جراتِ اسدِ سرورِ اُمم — دہنی طرف اڑا دیا شبدیز دور دم
خاطر میں کچھ نہ لائے کسی روسیاہ کو
اس حد پہ جا کے روک دیا اُس سپاہ کو

جھپٹے ادھر سے سامنے والوں پہ آئے اب — ڈانٹا کہ ڈر سے تھم گئے دب دبکے بے ادب
دوڑا پھرا جو واں سے بھی گھوڑا بصد غضب — بائیں پہ جتنی فوج تھی خود رک گئی وہ سب
دل حلقہ وار کردیے فوجِ خلاف کے
آئے حضور بیچ میں دشتِ مصاف کے

نعرہ کیا غضب ہیں کہ او قوم پُر عذاب
لو مستعد ہیں جنگ اب آغاز ہو شتاب
اک اک لڑے تو آئے کوئی کھا نماں خراب
سب مل کے گر لڑو گے تو بہتر ہے دو جواب

حملے یہ یاں تلے ہوئے سب ارجمند ہیں
مجبور اُس طرح ہیں نہ یوں تم سے بند ہیں

حُر کی جنگ اور شہادت

بڑھ کر پکارے فوج سے چند افسرانِ فوج
لڑتے نہ آپ فوج سے ہو امتحانِ فوج
باندھے ہیں چار پر غول دھر سب یلانِ فوج
آئے اُدھر سے ہاں کوئی نامی جوانِ فوج

گر مرد ہے تو رد نہ کریگا سوال کو
ہم حُر کو ٹوکتے ہیں کہ نکلے جدال کو

فرمایا خیر حافظ و حامی ہے ذوالجلال
کافی وہ ہی اسد ہے دیکت جائیں گے شغال
پھر مڑ کے اس طرف یہ پکارا علی کا لال
آقا عطا ہو حُر کو اجازت پئے جدال

مطلب ہے ٹوکنے سے ارباب شام کا
داغ ان کو ہے حضور کے تازہ غلام کا

اٹھا غریو لشکر سرور میں ایک بار
نکلا پرے سے حُر دلاور کا راہوار
واں بھی اٹھا خروش چلی فوج نابکار
عباس نے پلٹ کے یہ ڈانٹا کہ ہوشیار

تینوں وہ شیر دل بھی بڑھے جھوم جھوم کے
رخصت ہوئے امام کے قدموں کو چوم کے

بڑھ کر پکارے حُر کو یہ عباسِ نامور
گھوڑا اٹھائے میمنہ فوج پر اُدھر
بھائی کو اُس کے پھر یہ صدا دی بہ کرّوفر
بڑھ جا ادھر کو میسرہ والوں کی بے خبر
فرماں ملا غلام کو لشکر کی راہ کا
بیٹے کو حکم دیدیا قلبِ سپاہ کا

چاروں پہ چار غول سے آنے لگے جو تیر
چاروں نے چار کھینچ لیں تیغیں قضا نظیر
چاروں کی چار راہ ہوئی دوڑے وہ سب شریر
چاروں کے چار اٹھ گئے رخشِ فلک مسیر
چاروں دلوں میں غل ہوا چاروں کی حرب سے
چاروں وہ غول پھیل گئے چاروں کی ضرب سے

چاروں سمند چار جگہ فوج میں در آئے
کاووں میں بہتنے گھس گئے ڈموت کے گھر آئے
سب گرد حملہ ور ہوئے تیغوں کے منہ پر آئے
سر گر کے لوٹنے لگے تن گر کے تھرتھرائے
دوڑ آئے اور بڑھ کے خریدار مرگ کے
لشکر میں چار کھل گئے بازار مرگ کے

چلنے لگی جو قہر کی تلوار چار سمت
ڈھالیں اٹھیں کہ ابرِ دھواں دھار چار سمت
گرتے ہوئے تنوں کے وہ انبار چار سمت
اڑتے ہوئے سروں کی وہ بوچھار چار سمت
کیا غم ہے غلغلہ جو گیرو و بزن کا ہے
چاروں بہادروں پہ کرم پنجتن کا ہے

اس سمت سر فگن ہے ادھر یہ وہ تیغ اُدھر
اس سمت دشمن فگن ہے ادھر یہ وہ تیغ اُدھر
اس رُخ شرارہ زن ہے ادھر یہ وہ تیغ اُدھر
اس رُخ بھی شعلہ تن ہے ادھر یہ وہ تیغ اُدھر
گرتی ہیں چار بجلیاں تیغ آزمائی میں
چاروں جگہ پہ آگ لگی ہے لڑائی میں

فوجوں کا انکی تیغ سے چلتا نہیں ہے زور — واں شامیوں کی صبح ادھر رومیوں کا بھور
چاروں مقام پر وہ پڑے خوں ہیں شور بور — یاں تھلکے، وہ زلزلے، واں غلغلے، یہ شور
کٹتے ہیں اہل قریہ بھی اعراب شہر بھی
آفت بھی ہے بلا بھی قیامت بھی قہر بھی

گھوڑے الٹ رہے ہیں سواروں کے اک طرف — برہم پڑے ہیں ظلم شعاروں کے اک طرف
سر کٹ کے گر رہے ہیں ہزاروں کے اک طرف — نعرے سے دل بجھے ہیں کراروں کے اک طرف
تلوار کٹ رہی ہے ہر اک رزم گاہ میں
قبضوں میں ہے پناہ نہ قبضے پناہ میں

تیغیں پکڑ کے توڑ رہا ہے دلیر ایک — ڈھالوں کو چیر چیر کے کرتا ہے ڈھیر ایک
برچھوں کو پھینکتا ہے انھیں کر کے زیر ایک — نیزوں کو روندتا ہے جھپٹنے میں شیر ایک
زیر قدم ہیں گرز گراں تھے جو دوش پر
نعرے انھیں کے چھائے ہیں ان کے خروش پر

نامی دلیر جان پہ کھیلے ہیں اک طرف — اجڑے ہوئے سپاہ کے میلے ہیں اک طرف
لشکر الجھ پڑا ہے جھمیلے ہیں اک طرف — بھاگڑ میں فوج ظلم کے ریلے ہیں اک طرف
نازل ہے سر پہ قہر گروہ خراب کے
چاروں اسد ہیں چار فرشتے عذاب کے

لاکھوں میں دھنس کے معرکہ دکھلا رہا ہے ایک — لاشوں سے پاٹتا ہوا رن جا رہا ہے ایک
گرتے ہوؤں کو رخش سے روندا رہا ہے ایک — ڈوبا ہوا سپہ میں نظر آ رہا ہے ایک
رستے پہ سب کٹی ہوئی فوج غرور ہے
یہ حر ہے جس کی قبر بھی مقتل سے دور ہے

نعرہ یہ ہے کدھر ہے بن سعد کو بتاؤ — بھائی بھی حُر کا ڈانٹ رہا ہے ٹھہر تو جاؤ
بیٹا پکارتا ہے کہ بھاگے ہوؤں کو لاؤ — للکارتا ہے غلام کی اب سامنے تو آؤ
کہتا ہوں دانت پیس کے ڈھالوں کو روک لو
آقا کو میرے ٹوکا تھا مجھ کو بھی ٹوک لو

بھاگا گروہ ادھر کا تو اُس دل پہ جا پڑا — وہ دل الٹ کے قلب کے لشکر پہ آ پڑا
اُس دل کی دوڑ دھوپ پہ اک غلغلا پڑا — اِس دل کی دوڑ بھاگ سے اک تہلکا پڑا
یہ غول بھی پلٹ کے چلا بھاگ بھاگ میں
گرتے ہی منہ کے بھل تھا جہنم کی آگ میں

ہر سمت رخش راں ہیں علمدار نامور — نعرہ ہے میمنہ پہ کہ اے حُر پُر جگر
ہاں با حواس بھاگ چلی ہے سپاہ شر — آڑا ذرا لگائے ہوئے راہوار ادھر
بائیں پہ بھیٹ چلا ہے لاسائے ہوئے
دہنی طرف کو باگ کا پودا لیے ہوئے

جاتے ہیں میسرہ پہ جو چمکا کے راہوار — آواز حُر کے بھائی کو دیتے ہیں بار بار
شاباش حرب و ضرب بھی تیری ہے یادگار — چوٹیں ہوں سب منجھی ہوئی کھنچتے ہوئے ہوں وار
ٹکڑے اڑا دے تیغ سے قومِ عذاب کے
دہنی طرف سے لا انھیں بائیں پہ داب کے

آتے ہیں سوئے قلب سپہ بھی بسانِ شیر — کہتے ہیں حُر کے بیٹے سے تو سب میں ہے دلیر
لے مرحبا یہ جنگ کہ اتنے کٹے ہیں ڈھیر — کاوَق بد مزاج ہے گھوڑے کی باگ پھیر
کیوں گھیرتا ہے بڑھ کے سروں کو اُتار لے
وہ خود گھرے ہیں سب انھیں چن چن کے مار لے

پھر جلد اُدھر پہنچتے ہیں جس سمت ہے غلام　　فرماتے ہیں کہ واہ یہ جرأت ہے تیرا کام
جاتے ہیں بھاگتے وہ سرانِ سپاہِ شام　　ہاں اے دلیر گھیرے دوڑا کے خوشخرام
اب یاں پرے الٹ نہ گروہِ فرار کے
نیچا دکھا دے فوج کے اونچوں کو مار کے

سن سنکے ان کلاموں کو دیتے ہیں وہ صدا　　ہم سب غلام بندہ نوازی کے ہوں فدا
جسطرح حکمِ حرب ہے لائے ابھی بجا　　صدقہ ہے آپ ہی کا ہماری جدال کیا
باعث تھے ہے جو کچھ کوئی حملے ہے ڈھنگ کا
دیکھے ہیں معرکہ شبِ ہفتم کی جنگ کا

پھرتے ہیں آپ جبتے تھا کر دغا کے طور　　ہو جاتا ہے ہر اک کی لڑائی کا رنگ اور
تیغوں کا اوج بڑھتا ہے ڈھانوں کا انکی دور　　ناگہہ ادھر امام نے دیکھا جو کر کے غور
آواز دی کہ بھاگے ہوئے پلٹے آتے ہیں
بھیا سب ان پہ زور سے ناوک لگاتے ہیں

بوچھار چار سمت سے تیروں کی ہے غضب　　فوجیں کلوخ زن ہیں شر ریزنکی ہے غضب
بدعت معز زدن سے حقیروں کی ہے غضب　　کیسی یہ رش ہے چار ہیر فونکی ہے غضب
تن تن کے زخم کھاتے ہیں جھکتے نہیں ہیں وہ
اب بھی کسی کے روکے سے رکتے نہیں ہیں وہ

جھپٹے یہ سن کے حضرت عباس اُدھر شتاب　　لپکے سبھوں کے ساتھ امام فلک جناب
واں شور تھا صدا یہ اک آئی پر اضطراب　　خادم نثار ہوتا ہے یا ابنِ بوتراب
مارا دغا سے فوج ستم نے غلام کو
میری خبر کا وقت ہے میرے امام کو

دوڑے غلام حُر کیطرف شاہِ انس و جاں — قلب سپہ سے غلغلہ اٹھا یہ ناگہاں
لو کام آگیا پسر حُرّ نوجواں — مڑ کر اب اس صدا کیطرف کو ہوئے رواں
تننے میں میسرہ پہ یہ محشر بپا ہوا
آئی خبر کہ حُر کا برادر فدا ہوا

پلٹے تو میمنہ میں بھی اک غل ہوا ادھر — باجے بجاؤ، قتل ہوا حُرِّ نامور
آئیں حسین اپنے ہراول کی لیں خبر — کیسا پڑا ہے خاک پہ لاشہ لہو میں تر
دعویٰ بڑا تھا تیغ زنی پر دلیر کو
مارا ہے ہم نے دور کے حملوں سے شیر کو

سنتے ہی حُر کو پیٹتے دوڑے شہ ہدا — بھائی کی سمت ادھر گئے عباس باوفا
پہنچے پسر کی لاش پہ اکبر بصد بکا — آئے غلام حُر کے قریں شہ کے اقربا
بھاگے شریر چھا گیا غم خاص و عام پر
ماتم کا شور پڑ گیا چاروں مقام پر

چاروں کی چار جا سے برابر اٹھا کے لاش — رستے پہ آکے مل گئے مردانِ حق شناس
سب سر برہنہ وہ غم و ماتم جگر خراش — کلمہ یہ تھا زبانوں پہ موت آتی ہم کو کاش
غیرت کی جا ہے شہ پہ یہ سینہ سپر گئے
ہم اپنے میہمانوں سے پہلے نہ مر گئے

دنیا میں رسم ہے کہ جب آتے ہیں میہماں — خاطر میں کچھ اٹھا نہیں رکھتے ہیں میزباں
کیسی عراق کی ہے زمیں اور آسماں — جاتی ہے میزبان کے گھر میہماں کی جاں
ہم لوگ بیوفا نہیں بے اختیار ہیں
لو بھائیو معاف کرو شرمسار ہیں

پہنچے جو واں مقام پہ اپنے شہ نکو
لاشہ ہر اک لٹا دیا رو رو کے قبلہ رو
تھی سب کی آنکھ سے تو رواں آنسوؤں کی جو
اترا تھا چشم حضرت عباس میں لہو
ہوتی نہ بے بسی جو کہیں حکم شاہ کے
کیا جانے کس طرح سے سمجھتے سپاہ سے

فارغ بس اب کہ طول بیانی کہاں تلک
تقریر مختصر ہو کہانی کہاں تلک
آخر یہ دعویٔ ہمہ دانی کہاں تلک
ہر معرکے میں سیف زبانی کہاں تلک
مجمل ہو گر بیاں ہو کسی عرش جاہ کا
لکھنا ہے حالِ رزم علمدار شاہ کا

ناصرانِ حسین کی جنگ

ماتم تھا حُر کا یاں کہ وہ غدار پھر بڑھے
باجے بجا بجا کے دنا کار پھر بڑھے
سمجھا کے کچھ ہر اک کو علمدار پھر بڑھے
قصدا ابھی اور کر کے وہ جرار پھر بڑھے
حضرت بھی سمجھے کچھ جو ہزبر آئے سامنے
گھبرا گئے پیارے بھائی کو روکا امام نے

تابع تھے ان کے رُکنے سے سب رک گئے دلیر
فرمایا شہ نے کیا یہ ارادہ ہے میرے شیر
عالم کو قتل کر کے جو لاشوں کے کر دو ڈھیر
زندہ نہ ہو گا حُر میں ہوں خود زندگی سے سیر
حاشا نہیں قبول گر وہ جفا نہ ہو
کیا چاہتے ہو وعدۂ طفلی وفا نہ ہو

آج اس مقام پر مجھے کرنا نہیں مقام — یوں سمجھو راستے میں ہے یہ قافلہ تمام
رہزن ہیں کوششوں میں سب اپنی یہ اہل شام — الجھو کسی سے کیوں انھیں کرنے دو اپنا نام

جا پہنچیں جلد طے کہیں جھگڑا ہو راہ کا
منزل پہ منتظر ہے ہراول سپاہ کا

ٹھہرا گیا یہ سن کے وہ شیر خدا کا لال — گزرے سب ان ارادوں سے دل میں جو تھے خیال
کہنے لگے یہ پیارے سلطان خوش خصال — لڑ لو کچھ ان سے خیر اگر ہے تمھیں ملال

پائیں سزا ستاتے ہیں آفت نصیب کو
بیکس سمجھ لیا ہے حسینِ غریب کو

بھولے تھے واں جو دو دو کے حربوں پہ وہ شریر — انکو بھی حر سمجھ کے لگائے ہر اک نے تیر
آئے غضب میں شہ کے رفیقانِ بے نظیر — ایک اک جری نکلنے لگا بہرِ دار و گیر

دنیا ادھر کی حملۂ حر میں ادھر نہ تھی
پڑنے لگے وہ رن انھیں جنکی خبر نہ تھی

ایک اک وغا پہ ہوتا تھا عالم کو انقلاب — نعروں سے پھٹ رہا تھا فلک صورتِ سحاب
حملوں سے ان کے دہر کی مٹی ہوئی خراب — پنہاں تھا گرد میں کبھی پیدا تھا آفتاب

ہر بار یہ کے خون کے نالے بڑھا کئے
اترا کئے کبھی کبھی دریا چڑھا کئے

بڑھتا تھا غلغلہ کبھی ہوتا تھا گاہ کم — کشتوں سے پٹتا جاتا تھا سب وادیٔ ستم
جاتا تھا بعد ایک کے اک صاحب حشم — رکتی زمیں کو زلزلے آتے تھے دمبدم

کیونکر اُلٹتی معرکۂ گیر و دار سے
گیتی تو تھی دبی ہوئی لاشوں کے بار سے

لاکھوں سے لڑکے مرتے تھے جب دم وہ باوفا | لاشے اٹھا کے لاتے تھے خود شاہِ کربلا
خالی ہوا تمام جو انصار کا پرا | لے لیکے اذن لڑنے لگے شہ کے اقربا
برپا تھا غل یہ اور ہی حملوں کا ڈھنگ ہے
ضربیں پکارتی تھیں کہ حیدر کی جنگ ہے

وہ ولولے کہ بڑھ کے الٹ دینگے رن کو ہم | وہ غلغلے کہ جنگ وہ محشر سے تھی نہ کم
وہ تہلکے کہ کانپتا تھا وادیِ ستم | وہ زلزلے کہ دھوپ بھی لرزاں تھی دمبدم
ذکر ان کا کیا گرے تھے جو ڈھالوں کو ڈال کے
سائے بھی اچھلے جاتے تھے دشت قتال کے

کیا حشر تھا کہ بند تھے سب آسماں کے در | دن تھا سیاہ شمس تھا واللیل والقمر
برپا رہی قیامتِ کبریٰ یہ دوپہر | جنباں رہے تزلزلِ ہیجا سے دشت و در
آٹھو محل ہلا گئے چرخ بریں کے بھی
لاشوں سے آٹھ ٹیکرے بن گئے زمیں کے بھی

مسلم کے دونوں بیٹوں کی لڑنے میں وہ اُمنگ | زینب کے لاڈلوں کی وغا کا وہ اور رنگ
اولادِ مجتبیٰ کے وہ رن خوں سے لالہ رنگ | نامی برادرانِ علمدار کی وہ جنگ
یوں تو سبھی عزیز خدا کے ولی کے تھے
لیکن یہ تین شیر تو بیٹے علی کے تھے

ان کی وغا جدا تھی تو ان کی وغا جدا | وہ معرکے جدا تھے تو یہ معرکے جدا
میداں میں تہلکے تھے جدا زلزلے جدا | گیتی ہلائے دیتا تھا قہرِ خدا جدا
لاشوں کا بار تھا کہ نہ تھمنے کی تاب تھی
کشتی زمیں کی تین طرف غرقِ آب تھی

گھوڑوں کی باگ اٹھاتے تھے جس رُخ کو ڈپٹ کر   ٹاپوں کے نیچے منہ کے بھل آتے تھے لشکری
زندے تو کیا جب اٹھتی تھیں تیغیں ہو بھری   پڑ جاتی تھی کٹے ہوئے مردوں میں تھرتھری
اُڑتے تھے سر پہ سرِ تن ارباب زور سے
عباس داد دیتے تھے بڑھ بڑھ کے دور سے

ہوتے تھے نعرہ زن کبھی جا جا کے اور پاس   ہاں غازیو بڑھے ہوئے کیا ہیں یہ بد اساس
غم ہو کسی طرح کا نہ مطلق ہو کچھ ہراس   دیکھو کہ دیکھتے ہیں تمہیں شاہِ حق شناس
بہلاؤ صفدرو دلِ شاہِ غیور کو
دکھلا دو معرکوں کا تماشہ حضور کو

ہاں کس طرح تباہی تھی بابا نے وہ جدال   خود جس سے بھاگتی ہوئی فوجیں بے ہوا تھی مال
بھولے ہو کیا وہ نعرہ ضرغام ذوالجلال   گھوڑے بھڑک کے گرتے ہیں جس سے دم قتال
یہ کیا کہ جم گئے ہو پرے توڑ توڑ کے
تم کیوں لڑو اُس اپنی لڑائی کو چھوڑ کے

حملے کرو سوارو نکو نیچا دکھا تو دو   برہم سی کچھ صفیں ہیں برابر بچھا تو دو
ہلچل مچی ہے موت کا رستہ بتا تو دو   لو پھر بلند ہو گئے رایت گرا تو دو
توڑو ہر اک نشان پھریرے کو پھاڑ کے
پلٹو بھی اب تو فتح کے جھنڈے کو گاڑ کے

اونچے ہیں سرکشوں کے علم دیکھتے ہو تم   باجے بھی بج رہے ہیں بہم دیکھتے ہو تم
زندہ کھڑے ہیں دیو دژم دیکھتے ہو تم   اُٹھا نہیں یہ دشتِ ستم دیکھتے ہو تم
ہو مطمئن علی کے جو آنے سے یاس ہے
عباس مر گیا نہیں تم سب کے پاس ہے

فرما چکے ہیں کوچ کو سب کیلئے امام
ہوگی مجھے نہ تمکو سرائے جہاں میں شام
بیٹے وہ ہیں بلند رکھیں جو پدر کا نام
تب مطمئن ہوں جب مرے آگے تم آؤ کام
رہجاؤ راہ میں نہ کہیں بیقرار ہوں
منزل پہ تم پہنچ لو تو میں بھی سوار ہوں

سن سکے یہ جو ہوتے تھے وہ شیر حملہ ور
نعروں سے گونج اٹھتا تھا صحرائے پر خطر
ضربوں سے تھرتھراتے تھے روح الامین کے پر
گرتے تھے پائے شاہ تک آکر ادھر کے سر
وہ تہلکہ تھا شیر کی جرات نمائی سے
مردے بھی مانگتے تھے پناہ اس لڑائی سے

منظور اب اس جگہ پہ نہ ہوتا جو اختصار
لیتا زباں کلک سے میں کار ذوالفقار
رن بولتا صریر قلم سے ہزار بار
آجاتی کھینچ کے بزم میں تصویر کارزار
لو چھوڑتا ہوں واقعے سب گیرودار کے
بس مختصر ہے مرگئے لاکھوں کو مار کے

شہادت انصار واقربا کے بعد

حضرت کا غم میں اشک بہانا کہوں میں کیا
مقتل کو بیٹھتے ہوئے جانا کہوں میں کیا
گر گر کے سر پہ خاک اڑانا کہوں میں کیا
لاشے اٹھا اٹھا کے وہ لانا کہوں میں کیا
غش پر غش آرہے تھے دم یاس آپ کو
تھامے ہوئے تھے اکبر و عباس آپ کو

جا کر ہر ایک لاش کو لائے جو تھے امام — مقتل کی گرد تن پہ تھی پُر خوں قبا تمام
جاگے ہوئے تھے سب کئی شب کے وہ نیکنام — سوتے تھے خاک پر شہدائے فلک مقام
زخموں کے دامنوں کو نہ حاجت رفو کی تھی
اُن گورے گورے چہروں پہ چادر لہو کی تھی

سینوں پہ ہاتھ سامنے پھیلے ہوئے قدم — کج گردنیں تھیں خاک پہ رخسار تھے بہم
چہرے پھرے ہوئے طرف قبلۂ حرم — آنکھیں تھیں نیم باز کہ نکلے تھے ان سے دم
باب ارم جو سب پہ تھے یکساں کھلے ہوئے
کچھ کچھ تھے مسکرانے میں دنداں کھلے ہوئے

زخموں میں تھی بھری ہوئی اُس بن کی زرد خاک — زینت بدن سمیت سب اعضا تھے چاک چاک
خاک ریاض خلد تھی انکی جو خاک پاک — مہکا تھا بوئے خوں سے بیابان ہولناک
انصار ادھر پڑے ادھر آل رسول تھے
چن کر حسین لائے تھے ایسے وہ پھول تھے

کیا کیا ابھی تھا نصرت سرور کا انکو جوش — منت امام کی تھی کہ سر ہیں یہ بار دوش
یا اب سروں کی فکر نہ مطلق تنوں کا ہوش — کچھ تو سنا اجل سے جو ایسے ہوئے خموش
بشاش و سرخرو تھے پہ لب کھولتے نہ تھے
حضرت پکارتے تھے وہ کچھ بولتے نہ تھے

چلا رہے تھے آپ کے یارو بس اب اٹھو — پھر سر خدا کی راہ میں وارو بس اب اٹھو
نوحہ تھا اقربا پہ کہ پیارو بس اب اٹھو — لو پھر سلاح تن پہ سنوارو بس اب اٹھو
کیوں ملتوی ہیں دل کے ارادے ٹھنے ہوئے
پھر جاؤ رزم گاہ میں دولہا بنے ہوئے

جاتی تھی اہلِ بیت بنی تک فغانِ شاہ — ماتم کا واں بھی غل تھا کہ ہلتی تھی خیمہ گاہ
ڈیوڑھی سے نکلی آتی تھیں رانڈیں اُٹھا کے آہ — کہرام وہ مچا تھا کہ اللہ کی پناہ
یوں درپہ پیٹتے تھے حرم سرِ امام کے
رہ رہ کے اٹھتے جاتے تھے پردے خیام کے

نالہ کسی کا تھا کہ برادر گزر گیا — نوحہ کہیں تھا رات کا بیاہا بھی مر گیا
نالاں کوئی پھوپھی تھی بھتیجا کدھر گیا — چلاتی تھی کوئی مرا پیارا پسر گیا
وہ تہلکہ تھا خیمۂ شاہِ حجاز میں
طوفاں سے جس طرح ہو تلاطم جہاز میں

فوج یزید کی نئی کمک اور حضرت عباسؑ کو ٹوکنا

یاں تو یہ واقعے ہیں سنو حالِ رزم گاہ — اب بندوبست اور ہیں لڑنے کی اور راہ
کوفہ سے تازہ دم کئی لاکھ آئی ہے سپاہ — سب جن میں اپنے وقت کے رستم ہیں رو سیاہ
افسر دو ہیں ایک سے جو بخت تو ہے ایک
مارد ہے ایک مرحب عبدالقمر ہے ایک

لشکر ہے ان میں لصف جو مارد کے ہیں غلام — قزاق بھی بلا کے ہیں وہ نطفۂ حرام
غدار و پُر فریب کہ ملکوں میں جن کا نام — تاراج سب کئے ہوئے اقلیم روم و شام
ڈرتی ہے فوج ابنِ زیادِ پلید کی
لوٹے ہوئے ہیں ایک رسالے یزید کی

ان سب کا بندوبست تو دریا پہ ہے اِدھر — مرحب کی فوج اُدھر ہے کہ بھتے ہیں دشت و در
لرزاں ہے جن کے خوف سے سب لشکرِ عمر — گردانِ دیو قد کے وہ بیٹے کہ الحذر

حملہ قریب تر ہے محمد کے لال پر
بیڑا اُٹھا کے آئے ہیں ہر فتح جلال پر

لو اور کیا شام سے لشکر اُمٹھی گھٹا — پھیلا اُمنڈ کے فوج کا دریائے پُر بلا
اب پیدلوں کی حد نہ سواروں کی انتہا — مجمع سے کس گیا ہے بیابان کربلا

بڑھنا کہیں کسی کو نہ ہٹنا نصیب ہے
چھانٹے گی جو یہ فوج وہ بجلی قریب ہے

اکبر سے کہہ رہے ہیں ادھر شاہِ تشنہ لب — بیٹا یہ کس پہ ہے یورشِ فوجِ بے ادب
جوان سے لڑنے والے تھے مارے گئے وہ سب — بیکس پہ کیا ہجوم ہے لشکر کشی پھر اب

مہلت نہ اتنی دی کہ منہ اشکوں سے دھو تو لوں
لاشوں کو دفن کر نہیں سکتا ہوں رو تو لوں

تم کو جو دوں رضا تو ہو عباس کو ملال — بھیجوں انھیں تو بچ نہ سکے لشکرِ ضلال
جاؤں میں خود تو روکو گے دونوں مجھے کمال — ٹھہرا رہوں تو لوٹ لیں خیمے کو بدخصال

اذنِ جہاد دوں تمھیں یا خود وغا کروں
کچھ کوئی بات بن نہیں آتی ہے کیا کروں

اکبر نے کی یہ عرض کہ بودے ہیں نابکار — معلوم ہو بڑھے جو کوئی یاں سے جاں نثار
اس گھر کا ایک طفل نہ یہ اہل کیں ہزار — جب آن پڑا ہے بھاگ گئے ہیں دغا شعار

اب تو یہی کہ ہٹنے نہ دوں فوجِ شام کو
حضرت بھی اور چچا بھی رضا دیں غلام کو

کیا انکی ہست و بود ہے کیا انکی کائنات — یہ رحم آپ کا ہے کہ زندہ ہیں بد صفات
جنگ آج کی ہے یہ اور شب ہفتم کے واقعات — ہو جاتا ماواں پہ رات کا دن یا آج دن کی رات
تیغیں ہیں کیا یہ جنکو بڑھے ہیں سنبھال کے
سب بھاگ جائینگے ابھی تلواریں ڈال کے

عباس بولے بڑھ کے یہ با دیدۂ پر آب — آؤ نہ تم جلال میں اے شہ کے آفتاب
لازم نہیں رضا طلبی میں یہ اضطراب — ہو لینے دو ابھی کسی خادم کو بہرہ یاب
بڑھ آنے دو سزا ابھی وہ بڑھنے کی پائینگے
آتے ہیں اپنے پاؤں سے خود بھاگ جائینگے

یہ ذکر تھا کہ شہ کو پکارے کچھ اہل زور — پایا مزا بگاڑ کے حاکم سے کیوں حضور
رونے سے کیا ملے گا لڑائی ہے اب ضرور — دور آپ ہم سے ہیں نہ اجل آپ سے ہے دور
گھوڑے اٹھے ادھر سے کہ ضربیں رہا ہوئیں
لاشوں کا تو پتہ نہ ملے گا کہ کیا ہوئیں

عباس نامور کا ہم آئے تھے سن کے نام — ابتک تو وہ بڑھے یہ تعجب کا ہے مقام
اُس شب کو لڑ سکی تھی نہ ظلمت میں فوج شام — اب دن کو معرکہ ہو کہ دیکھیں تو خاص و عام
آئے ہیں دور دور سے جو پیارے نام ہیں
ہونے نہ دینگے رات وہ ہم اہل شام ہیں

اچھا معمروں سے ادھر کے اگر ہے ڈر — لڑکے بھی یاں ہیں ساتھ لڑیں آ کے بے خطر
ٹوکیں گے جس کو بڑھ کے وہی ہو گا حملہ ور — دخل اور کو نہ ہو گا لڑائی میں کچھ ادھر
وہ بیچ میں مقام ہے جنگ آزمائی کا
بس فیصلہ اسی پہ ہے آج اس لڑائی کا

برہم ہوئے یہ سنتے ہی شاہ ملک خصال — اکبر بھی جوشِ غیظ میں تھرا گئے کمال
غصے میں لال ہو گئے عباسِ خوش خصال — سر سے دھواں نکل گیا اللہ رے جلال
پُرخوں غضب میں ہو گئیں نظریں دلیر کی
آنکھیں لہو اُتر کے ابل آئیں شیر کی

خود چند گام بڑھ کے پکارے امام دیں — سر لوٹتے پھریں گے خبردار بس وہیں
حاکم تمھارا کیا ہے وہ مردود بد یقیں — کثرت یہ کیا ہے فوج کی کیا ہیں یہ اہل کیں
چاہوں ابھی تو بچ کے نہ قابو سے جا سکو
ہاتھ اٹھ سکیں نہ مجھ پہ نہ گھوڑے اُٹھا سکو

جرأت تمھاری دیکھ لی جیسے ہو تم دلیر — فوجوں کو بھاگتے ابھی گزری نہیں ہے دیر
مارے گئے ہیں مار کے لاکھوں کو یاں کے شیر — گن لو جو گن سکو کہ ہیں لاشوں کے کتنے ڈھیر
کشتوں کے سر جدا ہیں سروں سے ہیں تن جدا
بچوں کے دن جدا ہیں جوانوں کے دن جدا

لاشے ادھر وہ ہیں جنھیں رتبے ہوئے حصول — گلگوں ہیں تن ریاضِ شہادت کے سب ہیں پھول
یوں رن میں سر بکف ہیں کہ راضی ہوئے رسول — دربار کردگار میں نذریں ہوئیں قبول
سوتے ہیں جلتی دھوپ میں جانیں دئے ہوئے
رحمت خدا کی سب یہ ہے سایہ کئے ہوئے

حافظ اب ان کا وہ ہے کہ جس کے ہیں عبد پاک — جاؤ ادھر تو قہر کے دریا میں ہو ہلاک
پھٹ کر زمیں کرے ابھی تم سب کو غرق خاک — نازل کروں سروں پہ عذابات ہولناک
سب کچھ ہے اختیار میں گو تشنہ کام ہوں
بس خیر اسی میں ہے کہ ڈرو میں امام ہوں

تم اور خیالِ جنگِ علمدارِ حق شناس ثابت ہوا ابھی سے اجل ہے سرہنے کے پاس
ہم روکتے نہ رہتے جو امت کا کر کے پاس ہوتے نہ تم جہاں میں نہ وہ فوجِ بے قیاس
موت آئی یہ ہوس نہیں جنگ آزمائی کی
کیوں شرط ہے رضا انہیں دیدیں لڑائی کی

کم عمر بھی ہیں ساتھ جو واں بہر گیر و دار کہدو ہٹے رہیں دمِ آغازِ کارزار
وہ اور جدالِ ضیغمِ ضرغامِ کردگار ان سے تو جنگ ہے علی اکبر کا ننگ و عار
پالا تھا جن کو گود میں سب کچھ کر چکے
بچے ہم اپنے لائیں کہاں سے کہ مر چکے

فرما کے یہ جو شاہ کی آنکھیں ہوئیں پر آب عباس خیمہ گاہ کو جھپٹے با اضطراب
اکبر نے سوئے گنجِ شہیداں کیا خطاب کیا سو رہے ہو عون و محمد اٹھو شتاب
آؤ روا رکھو نہ جوانوں کے ننگ کو
ہم سن تمہارے آئے ہیں ہم سے جنگ کو

مسلم کے لاڈلوں سے بھی کہدو کہ جلد آئیں رکھ لیں ہماری آن وہ شانِ وغا دکھائیں
روکو ادھر حریف تمہارے نہ ٹکنے پائیں لڑکوں پہ جاؤ تم تو جوانوں پہ ہم بھی جائیں
کس وقت پر اجل تمہیں آئی بہادرو
لڑ تو یہ ایک اور لڑائی بہادرو

روئے یہ کہہ کے اکبرِ مہرو کمال تر پلٹے ادھر حرم سے علمدارِ نامور
اس شان سے کہ ساتھ تھا وہ چاند سا پسر مادر نے جسکی خیمہ میں بندھوائی تھی کمر
نصرت پہ شہ کی جان و سر اپنا تجے ہوئے
چھوٹے سے سب سلاح بدن پر سجے ہوئے

عباسِ نامور کے وہ بچپن کی چھوٹی ڈھال قبضے میں نیمچہ بھی وہی غیرت ہلال
خود و زرہ وہی، وہی دستانے بیمثال رعب تنظر وہی، وہی تیور وہی جلال
چلنے میں جھوم جھوم کے سارا چلن وہی
چتون وہی نگاہ وہی بانکپن وہی

ہے مختصر یہ حالِ علمدار ذی حشم لائے ہیں رو کے مشکِ سکینہ بدرد و غم
جب سے انھیں بھی ٹوک چکے ہیں وہ بدشیم گو ٹالتے ہیں پر نہیں ہوتا جلال کم
اس غم سے اب سوا کوئی غم جانگسل نہیں
وہ شیر آپ میں نہیں قابو میں دل نہیں

گھبرا کے بولے سیدِ عالم کہ ہائے ہائے عباس اپنے لال کو تم کیوں حرم سے لائے
آمادۂ ستم ہیں وہ سرکش پرے جمائے میں کیا کروں خدنگ جو کوئی ادھر سے آئے
بیکا ہو بال گر کہیں اس نورِ عین کا
چھد جائے تیرِ غم سے کلیجہ حسین کا

سنتے ہی یہ پسر کو اشارہ جو کچھ کیا قدموں پہ گر پڑا شہ دیں کے وہ مہ لقا
سینے سے شہ نے رو کے لگایا تو یہ کہا آقا ملے غلام کو اب رخصت وغا
رومال آنسوؤں سے بھگویا نہ جائے گا
اماں کے ساتھ بیٹھ کے رویا نہ جائے گا

فوجیں حضور پر ہیں صف آرا نہ جائیں ہم کنبہ تمام ہو گیا سارا نہ جائیں ہم
سب نے سروں کو آپ پہ وارا نہ جائیں ہم بابا کو نام لیکے پکارا نہ جائیں ہم
پیدا علی کے گھر میں ہوئے کیوں جھکے رہیں
دادا کہیں لڑے ہوں تو ہم کبھی رکے رہیں

اس ٹوکنے کا داغ وہ دل پر ہے یا امام　　جسکی دوا ہے خونِ سرانِ سپاہ شام
جو منہ سے کہہ رہا ہے کریگا وہی غلام　　تلوار سے جواب کے قابل ہیں وہ کلام

ہم کو بھی اور پدر کو بھی سر بار دوش ہیں
کچھ ان پہ تنگیٔ ہے کہ بابا خموش ہیں

یاں سے ابھی گئے تھے جو با حالت تباہ　　تلوار کھینچے پھرتا تھا میں گرد بارگاہ
فرمایا مشکلوں سے چلو رو رہے ہیں شاہ　　لڑنا ہے ان سے ہم نہیں لڑ سکتے جن سے آہ

میں نے کہا وہ کون ہیں دشمن جناب کے
کچھ کہہ سکے نہ رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

خیمے میں پیٹتے تھے حرم ہل رہا تھا گھر　　روتا ہے کون کچھ انھیں مطلق نہ تھی خبر
تھیں اگر پھوپھی بھی نہ دلاتیں بچشم تر　　رخصت کا ذکر کیا کہ نہ جاتے قریب در

بی بی کوئی بڑھی کوئی گھبرا کے ہٹ گئی
روئے تو تب جب آ کے سکینہ لپٹ گئی

پھیرے تھے سب کی سمت سے پھر بصد حجاب　　رقت بھی سلب تھا وہ طبیعت کو انقلاب
پرسا دیا کسی کو نہ تسکینِ اضطراب　　لے لی سکینہ جان سے خالی یہ مشک آب

اک حشر تھا جدا جو نہ ہوتے تھے ساتھ سے
دامن چھڑا کے آئے ہیں بچوں کے ہاتھ سے

رونے لگا یہ کہہ کے جو فرزند ذی شعور　　عباس بولے اسکو اجازت ہو اب ضرور
پیاری سکینہ جان پہ ہے پیاس کا وفور　　دیجئے یہ خشک نہر سے بھر لائے گا حضور

اس وقت میں خموش تھا لڑکے سے ایک میں
نو عمر کیا جوان و مسن ملکے سب لڑیں

کمسن ہے پر نگاہ تو بد ہیں کوئی ملائے
بجلی گرے تو منہ پہ یہ بچہ سپر نہ لائے
تیغوں سے رُخ کٹے مگر ابرو پہ بل نہ آئے
جھپکے نہ انکی آنکھ جو دیدے پہ تیر کھائے
لڑنے میں ضرب گرز گراں سر گراں نہ ہو
برچھا پڑے جگر پہ تو دل کو گماں نہ ہو

خادم کو تو اجازت میداں ہے اب نہ پاس
جو حکم جو رضائے شہنشاہ حق شناس
کس کام کا ہیں کام جب آیا نہ کوئی راس
اے کاش ہوتی آج نہ تلوار میرے پاس
وہ مجھ سے جنگ کا ہیں ارادہ کئے ہوئے
کس جا چھپوں حضور کا رایت لئے ہوئے

پٹکوں کہاں یہ تیغ کدھر ڈالدوں سپر
کیسی گھڑی وہ تھی باندھی تھی جب کمر
اس سانحہ سے کون مصیبت ہے سخت تر
ٹوکا مجھے اور ان کے سلامت ہیں تن پہ سر
دیوار و در ملے تو مروں سر کو پھوڑ کے
پھینکو زرہ کو پھاڑ کے مغفر کو توڑ کے

جب آج لڑنے والوں میں میرا نہیں شمول
حربے فقط دکھانے کے مجھکو نہیں قبول
چار آئینہ سے یکتر و جوشن سے کیا حصول
کیا کوئی زخم کھانا ہے دستانے ہیں فضول
اب تک ہوا نہ شرم سے رو پوش غم نہ ہو
پہرے پہ چاہئے مجھے برچھ جھلم نہ ہو

رخصت نہ دیتی آپ کی گر جرأت کلام
یوں بڑھ کے بولتے بھی دلیران فوج تمام
اے وائے بے بسی مری عبرت کا ہے مقام
گر ڈانٹ دوں ابھی تو جگر پھٹکے ہوں تمام
تیغوں کے ساتھ پھینک دیں ڈھالوں کو تو سہی
رستہ نہ کو جھے بھاگنے والوں کو تو سہی

کہتا ہوں توبہ کر کے بڑا بول ہے برا رکھ دوں سلاح کھول کے پیش شہ ہدا
حربہ نہ کوئی پاس ہو پھر اس کے ماسوا سب کس کے باندھ دیجیے خادم کے دست و پا
اس حال میں بھی ان کے لئے کم نہ جانیے
چھو لیں مجھے وہ بڑھ کے تو ضیغم نہ جانیے

بالفرض بڑھ سکیں بھی تو ان کی جدال کیا جانے دوں پھر کسی کو بھی بے انفصال کیا
ایسوں سے جنگ میں یہ زرہ کیا یہ ڈھال کیا تلواریں میرے جسم کو کاٹیں مجال کیا
روکوں نہ وار تک کسی خانہ خراب کے
تیغوں کے منہ بگاڑ دوں دانتوں سے چاب کے

قسمت نے کھا رہی ہے زمانے کا انقلاب ورنہ حضور اور مجھے کرتے نہ کامیاب
بابا جو ہوتے آج تو ہنگام اضطراب یوں مجھ کو وہ بھی روکتے کیوں اے فلک جناب
ذلت ہو کچھ ہو تابع حکم امام ہوں
اب آپ باپ کی ہیں جگہ میں غلام ہوں

پائے تھے ہاتھ تیغ زنی کیلئے حضور یا اس لئے کہ سینہ زنی چاہئے ضرور
ان بازوؤں کا قطع نہ ہونے سے ہے قصور اچھا ہے رسیوں میں جو باندھے سپاہ زور
بلوانے پر گیا تھا میں ظالم کے سامنے
اب ہاتھ بندھ کے جاؤنگا حاکم کے سامنے

میداں سے لاشے لانے میں گزری ہے دوپہر رونا ہے ہائے اور ابھی پیٹ پیٹ کر
کیا جانئے سناں سے چھدے کون سا جگر خنجر کے نیچے کون گلہ ہو یہ کیا خبر
مایوس ہوں فضول ہے رخصت میں کد مجھے
دیکھوں گا جو دکھائے گی تقدیر بد مجھے

ناخوش ہیں تھوڑی دیر کو کیوں قبلۂ امم بس اب مری حیات کا وقفہ بہت ہے کم
فوجوں سے لڑ کے مر نہ سکا گر تو کیا الم ہے کام کر چکی مرے دل کا سیاہ غم
زندہ نہ آپ جانئے گو ہمکلام ہوں
موت اسطرح نہ آئی تو یوں بھی تمام ہوں

لاشے اٹھانے جاتا تھا جب رن میں بار بار وہ حال غم سے تھا کہ جو ہو وقت احتضار
اب جسم میں نہ روح سمجھئے نہ جان زار گرمی لہو کی باقی ہے کیا اس کا اعتبار
ضبط فغاں سے زیست ہے یہ کوئی دم ابھی
گر منہ سے اُف کروں تو نکل جائے دم ابھی

کیا وقت بد وہ ہوگا دہائی ہے یا اللہ حضرت کے بعد جبکہ لٹے گی یہ بارگاہ
سیدانیوں کے گھر میں در آئیں گے روسیاہ جلتے ہوئے خیام کو دیکھونگا آہ آہ
بھاگونگا میں بھی ہے غضب اس بھاگ بھاگ میں
اپنے کو آپ جا کے گرا دوں گا آگ میں

یہ کہہ کے گر پڑے جو قدم پر بصد ملال روئے گلے لگا کے شہنشاہ خوشخصال
آئی صدائے شیر خداوند ذوالجلال پیارے حسین دو انھیں اب رخصت جدال
ہونے دو کچھ سزا یورش اہل شام کی
خاطر ضرور چاہئے اپنے غلام کی

عباس نے کیا ہے بلا تنک وہ آج صبر جو اختیار میں نہیں ممکن ہر اک سے جبر
تو کیں وہ ہے غضب نہ ہو جیلے مرگ قبر تم دیکھتے ہو آپ میں بھی ہے مرا ہزبر
خون ان کا دیکھ لینے دو تب ہوش آئے گا
جلنے اگر نہ دو گے تو دنیا سے جائے گا

اس ضبط و غیظ و قہر کی گر ہے تو یہ دوا — لڑ لے بخار دل کا نکل جانے دو ذرا
چار آنکھ کر کے بات کبھی کی تھی میں فدا — حال اور اب ہے تم سے جو ایسا گلہ کیا
کچھ ہوش میں کہا نہیں بے اختیار ہے
بیٹا برا نہ مانیو خدمت گزار ہے

یاں اس جدال کا ہے فرشتوں کو انتظار — حربے عقاب کے ہیں لئے پھر اہل نار
موقوف اس کے قہر پہ ہے قہر کردگار — سب ہیں صفیں جمائے ہوئے مستعد بکار
تکلیف ہے رسول خدائے کریم کو
روکے ہوئے کھڑے ہیں عذاب الیم کو

بولے یہ سنکے حکم پدر شاہ ذی وقار — بابا کرم یہ آپ کے شبیر ہو نثار
سب ہے بجا جو کہتے ہیں عباس نامدار — بھولونگا قبر تک نہ وفا ان کی زینہار
شکوہ نہیں اٹھاتے ہیں غم میرے واسطے
سہتے ہیں اور سہیں گے الم میرے واسطے

رخصت میں انکی تھے کئی تعویق کے سبب — اول یہ گو تھے بیٹوں سے پیارے عزیز سب
لیکن تھی انکے پیار سے نسبت کسی کو کب — جیتا ہیں چھٹ کے ایسے برادر سے ہے غضب
قوت تھی دل کی قوت بازو کے ساتھ سے
توڑی گئی نہ اپنی کمر اپنے ہاتھ سے

اور دوسری یہ وجہ ہے یا شاہ عرش جاہ — پانی کے مہتمم ہیں یہ پانی نہیں ہے آہ
سب کی انھیں کی کوشش و ہمت پہ ہے نگاہ — زندہ اسی امید پہ بچے ہیں بے گناہ
کچھ آبنے تو پھر انھیں کیسا ہراس ہو
ڈر تھا کہ مر نہ جائیں جو پانی سے یاس ہو

باعث یہ تیسرا تھا کہ ہے عہدۂ علم　　سرکردہ سپاہِ خدا ہے یہ ذی حشم
پہلے ہی بھیجتا جو سوئے لشکر ستم　　ہو جاتی کس قدر مرے لشکر کی شان کم
سوچا تھا میں کہ اور جدائی کا وقت ہے
اکبر کے بعد ان کی لڑائی کا وقت ہے

چوتھی یہ وجہ ہے کہ پس از حُر خوش نہاد　　بعد ایک کے تھا ایک کا کچھ سخت تر جہاد
قبل ان کے یہ جو حرب کی میداں میں دیتے داد　　ہوتی پھر آپکی جنگ سے کس کی وغا زیاد
بڑھتا عروج اور نہ تیغ آزمائی کو
ہاں آپ ہوتے یا میں نکلتا لڑائی کو

ہے پانچویں یہ بات کہ سب اس کے پہلواں　　ڈرتے ہیں انکے نام سے تھراتے ہیں نشاں
جب ہو لیا یقین نہ لڑیگا یہ نوجواں　　تب حملہ ور ادھر کو ہوا لشکر گراں
ملتا خود انکو لطف نہ جنگ آزمائی سے
سب جی یونہی بھگا کے پھر آتے لڑائی سے

اور اس کے ماسوا یہ چھٹا بھی تو تھا خیال　　بالفرض بھاگتے نہ کیا یک وہ بد خصال
آتا کوئی خدنگ ہی واں سے دم جدال　　بچتا نہ بھاگنے سے یہ پھر لشکر ضلال
رہتا کبھی نہ ہوش انھیں قتل عام میں
۸۲۵　　کوفہ میں نام مرد کا ہوتا نہ شام میں

باقی نہ رہتے تیغ سے انکی جب اہل جور　　پھر امتحان صبر کا میرے تھا کون طور
یا تی نجات امت جد کیجئے تو غور　　دریا کا ساتواں یہ تجھے دعذر تھا اور
ضد ہے مقدرات سے ساحل پہ جائنگے
دریا تو چھین لیں گے مگر خود نہ آئنگے

نا تمام

یہ مرثیہ ۸۲۵ بند تک پہنچا تھا کہ مصنف کا انتقال ہو گیا

محمد افسر پرنٹر و پبلشر نے یونیورسل پریس ۲۲ نور جی بین ٹھاکر دوار بمبئی ۲ میں چھپوا کر کتاب کدہ ۱۳۰ والکیشور روڈ بمبئی ۶ سے شائع کی